بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدالمرسلين وعلى وآله وأصحابه اجمعين. امابعد !

اگر ہم غور کریں کہ کتب احادیث میں زیادہ تر کس کتاب حدیث کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ وہ کتاب صحیح بخاری ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے محدثین کی جماعت کے سامنے تیار کیا۔ صحیح بخاری میں درج تمام احادیث نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہیں اور ان کا احادیث صحیحہ ہونا ضوء النہار کی طرح واضح اور روشن ہے اسی لئے محدثین کی جماعت نے امام بخاری رحمہ اللہ کو صحیح بخاری مرتب کرنے پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ابواسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائنی المتوفی ۴۰۸ھ فرماتے ہیں۔

"اهل الصنعة مجمعون على ان الأخبار التى اشتمل عليها الصحيحان مقطوع بصحة اصولها ومتونها ولا يحصل الخلاف فيها بحال وان حصل فذاك اختلاف فى طرقها ورواتها " (فتح المغيث ج 1ص 64النكت لابن حجر جلد1صفحه377)

'فن حدیث کے ماہرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ صحیحین کے تمام اصول ومتون قطعاً صحیح ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو وہ احادیث کی سندوں اور راویوں کے اعتبار سے ہے'۔

صحیحین کی صحت پر اجماع کا دعوی حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ ابونصر السجزی، امام ابوعبداللہ الحمیدی، حافظ ابوبکر الجوزقی، امام الحرمین الجوینی اور حافظ العلائی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا:

ولا نعلم من حملة الحديث وحفاظهم من استقصى فى انتقاد الرواة ما استقصى

محمد بن اسماعیل البخاری رحمه الله مع امامته وتقدمه فی معرفة الرجال وعلل الاحادیث. (المعرفة للبیهقی ج3ص217)

'ہم نہیں جانتے کہ حفاظ حدیث میں سے کسی نے روایوں کی تنقید میں اتنا اہتمام کیا ہو جتنا محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے کیا ہے وہ معرفت رجال اور علل حدیث کے سب سے فائق امام تھے'۔

الحمدللہ امت کا اجماع ہے کہ بخاری میں تمام تر احادیث احادیثِ صحیحہ ہیں۔قابل غور بات یہ ہے کہ صحیح بخاری کی صحت پر امت کا اجماع ہونے کے باوجود بھی اسے ہی کیوں تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے؟ تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مذاہب کی جو بنیادی کتب ہیں انکا سو۱۰۰ فیصد صحیح ثابت کرنا ناممکن ہے لیکن اسلام وہ واحد دین ہے جس کا سو۱۰۰ فیصد صحیح ہونا حقیقت ہے۔مثلاً مذہب مسیحت کو لے لیں۔

مذہب مسیحت:۔

مسیحیوں کے نزدیک انجیل کو کتاب مقدس تسلیم کیا جاتا ہے اور وہ دراصل چار بڑے صحیفوں پر مشتمل ہے۔

1)متی کی انجیل

2)مرقس کی انجیل

3)لوقا کی انجیل

4)یوحنا کی انجیل

ان میں سے کوئی صحیفہ بھی عیسی علیہ السلام کا نہیں اور یہ کتابیں خود اس قدر مجہول الاصل ہیں کہ ان پر کچھ بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

(1) پہلی کتاب مسیح علیہ السلام کے حواری متی کی طرف منسوب ہے اور یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ متی کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔متی کی اصل کتاب جس کا نام لوجیا(logia) تھا مفقود ہے۔

(2) دوسری کتاب مرقس کی طرف منسوب ہے اور عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ مرقس خود ہی اس کا مصنف ہے لیکن یہ ثابت ہے کہ وہ عیسی علیہ السلام سے نہیں ملا اور نہ ہی ان کے حواریوں میں سے ہے۔

(3) تیسری کتاب لوقا ہے جو لوقا کی طرف منسوب ہے یہ بات بھی بالکل مسلّم ہے کہ لوقا نے کبھی مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے استفادہ کیا۔وہ پولوس (St.Paul) کا مرید تھا اور یہ بھی ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام اور لوقا کے درمیان سلسلہ روایت کی کڑی غائب ہے۔

(4) چوتھی کتاب جو یوحنا کی انجیل کہلاتی ہے جدید تحقیق کے مطابق مشہور یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ کسی مجہول الحال شخص کی ہے جس کا نام یوحنا تھا۔یہ کتاب مسیح علیہ السلام کے بہت بعد 90ء میں یا اس کے بھی بعد لکھی گئی ہے۔یعنی چاروں اناجیل کا مسیح علیہ السلام تک پہنچانا ناممکن ہے۔اسی طرح ہندومذہب۔

ہندومذہب:۔

ہندو مذہب کی ایک معین تعریف بیان کرنا انتہائی دشوار مرحلہ ہے کیونکہ ہندومت ان معنوں میں کوئی مذہب ہی نہیں ہے جس کے لئے عموماً یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔اور نہ ہی ہندو مذہب کا کوئی بنیادی عقیدہ ہے جس سے اس کی پہچان ہو۔اسی وجہ سے ہندو مذہب کی تعریف کرنے میں محققین کو بہت دقّت پیش آئی ہیں۔

(Guru Parsad Sen.Introduction To The Study of Hinduism Pg:9)

کوئی کہتا ہے کہ ہندو مذہب رسوم،عبادات،عقائد،روایات،اور ضمیات کا مجموعہ ہے۔

(Lyall.Religious Systems of the World P:114)

کوئی کہتا ہے کہ''وہ تمام باشندگان ہند جن کا اسلام،جین مت،بدھ مت،مسیحیت،پارسی،یہودی یا دنیا کے کسی اور دوسرے مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور جن کا طریقہ عبادات وحدانیت سے لے کر بت پرستی تک وسیع ہو اور جن کے دینیات کلیۃً سنسکرت زبان میں لکھے ہوئے ہوں ہندو ہیں۔

(Census Report ,Baroda.1901.pg:120)

گویا ہندو مذہب کیا ہے اس کا بانی کون ہے کچھ معلوم نہیں۔

بدھ مذہب:۔

گوتم بدھ نے اپنی زندگی میں نہ تو کوئی کتاب لکھی اور نہ ہی لکھوائی گوتم بدھ کی تعلیمات کیا تھیں اس

بارے میں کچھ بھی یقین سے نہیں بیان کیا جا سکتا۔ بدھ مذہب کے متعلق ایک مصنف لکھتا ہے کہ اس مذہب میں بھکشوؤں نے اصل مذہب کے اصولوں کو تبدیل کر دیا ہے اس نے عقائد اور احکام میں بہت کچھ ترمیم کی اور اصل سوتروں کو بدل کر نئے سوتر بنا لئے دیکھئے میکس وولر کا دیباچہ سیکرٹ بکس آف دی بدھسٹس۔

(Hackman,Buddhism as a Religion ,p.51.52)

معلوم ہوا کہ بدھ مذہب بھی ایک نا قابل یقین مذہب ہے۔

قارئین کرام یہ ہے حال ان مشہور مذاہب کا، کہ ان کی بنیادی کتب، ان کے عقائد سب کے سب نا قابل یقین ہیں یہی وجہ ہے کہ کرسچن مشنریز حسد کی آگ میں جل کر اپنے ناپاک عزائم کے ساتھ اسلام کو بھی ان مذاہب کی صفوں میں لانا چاہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرسچن مشنریز ہماری کتب احادیث کی صحت کو مشکوک بنانا چاہتی ہیں اور اس کے لئے وہ مختلف طریقے اور حربے استعمال کر رہی ہیں اور ہمارے نام نہاد مسلمان ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں، کتاب قرآن مقدس اور بخاری محدث، بھی ان ہی سازشوں کی ایک کڑی ہے اور یہ صحیح بخاری (حدیث کی صحیح ترین کتاب) کی صحت کو مشکوک بنانے کی ناکام کوشش ہے۔ یہ کتاب ایسے ہی ایک آلہ کار علامہ احمد سعید کا کارنامہ ہے جو اسلام کے خلاف لکھی گئی ہے علامہ احمد سعید اسی روش کو اختیار کئے ہوئے ہیں جس روش کو مستشرقین نے اختیار کیا تھا۔

مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ ایک تو مؤلف نے صحیح حدیث پر طعن کیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی گھٹیا زبان سے محدثین رحمۃ اللہ علیہم پر جو نکتہ چینی کی ہے وہ نا قابل برداشت ہے اور ختم نبوت پر جو ان کی کاری ضرب ہے وہ سزا کی مستحق ہے۔ (یہ کتاب) ''قرآن مقدس اور حدیث مقدس'' آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں ان احادیث کا جواب دیا گیا ہے جس پر علامہ احمد سعید نے اپنی حدیث دشمنی ثابت کی ہے اور صحیح حدیث کو قرآن کریم کے خلاف ٹھہرا کر من گھڑت ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے جو کہ ایک ناکام سعی ہے۔ ان جیسے اسلام دشمن آلہ کاروں نے بیشمار کتابیں مختلف ادوار میں تحریر کیں لیکن ہر دور میں علماء حق نے ان کا دنداں شکن جواب دیا اور ان کی سازشوں کو باذن اللہ بے نقاب کیا۔

''وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا'' (الاسراء 18/17)

''اور کہیئے: کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو ہے ہی مٹنے کے لئے''۔

کتاب قرآن مقدس اور حدیث مقدس بھی ان اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے جو کہ علامہ احمد سعید نے بے جا اٹھائے ہیں ان شاء اللہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ کو بخوبی علم ہو جائے گا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کس قدر احتیاط اور توجہ سے کتاب ''صحیح بخاری'' تصنیف کی ہے جسے امت نے کتاب اللہ کے بعد کا درجہ دیا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہمیں احادیث مبارکہ کا دفاع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمام مسلمانوں کو ایسے کفر اور گستاخی سے محفوظ رکھے۔

(آمین)

محمد حسین میمن (خادم حدیث)

اعتراض نمبر 1:۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ سے کیا مراد ہے؟

احمد سعید خان ملتانی جن کی جہالت ان کی تحریر میں عیاں ہے نے اپنی کتاب میں یہ جملہ " **اصح الکتب بعد کتاب اللہ**" پر اعتراض کیا ہے اور اسے شرک کے ضمن میں داخل کیا ہے۔

(قرآن مقدس اور بخاری محدث ص5)

جواب:۔

میرے خیال میں مصنف کو کتب عقائد پڑھنے کی اشد ضرورت ہے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث دشمنی میں ان کے تمام عقائد کورے ہو گئے ہوں۔ مغالطہ کہاں سے پیدا ہوا ! جب سے کتاب اللہ سے مراد صرف اور صرف قرآن مجید ہی لیا گیا اسی دن سے اس جہالت کی ابتداء ہوئی حالانکہ کتاب اللہ کا اطلاق قرآن مجید کے ساتھ ہر صحیح حدیث پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً

"إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ" (التوبه 36/9)

"یقیناً اللہ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ (12) ہے کتاب اللہ میں اس دن سے جس دن اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا جس میں چار مہینے حرمت والے ہیں"۔

مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ بارہ مہینوں کی گنتی کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اگر ہم کتاب اللہ سے مراد یہاں صرف "قرآن" ہی لیں تو یقیناً ہم کبھی بھی ان مہینوں کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے اگر ہم کتاب اللہ سے مراد "قرآن مجید اور صحیح احادیث" لیں جیسا کہ آیت سے بھی واضح ہے تو یقیناً ہم ان مہینوں کو پالیں گے۔ بارہ مہینوں کی گنتی نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث ہی سے ثابت ہیں۔ مثلاً

1) السنن الکبری للنسائی کتاب النکاح باب البناء فی شوال جلد3 رقم الحدیث 5572

2) صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قوله : ان عدة الشهور.....رقم الحدیث 4662

3) صحیح بخاری کتاب الطب باب الجذام رقم الحدیث 5707

4) صحیح بخاری کتاب الصوم باب هل یقال رمضان أو...رقم الحدیث 1899-

5) المنتظم لابن الجوزی، جلد2 ص39

مندرجہ بالا حوالہ جات میں بارہ مہینوں کی گنتی موجود ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کریم کے علاوہ صحیح احادیث بھی کتاب اللہ میں شامل ہیں اسی طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ایک حدیث موجود ہے:

"دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا میں نے اس کے فدیئے میں ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دی............آپ ﷺ نے فرمایا سنو! میں تم میں کتاب اللہ سے صحیح فیصلہ کرتا ہوں۔ لونڈی اور بکریاں تو تجھے واپس دلوادی جائیں گی اور تیرے لڑکے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے (کیونکہ وہ کنوارا تھا) اور اے انیس تو اس کی بیوی کا بیان لے......اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کرلے تو اسے سنگسار کردینا.... چنانچہ اسے رجم کردیا گیا"۔ (صحیح بخاری کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم الحدیث 2695، صحیح مسلم کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسه بالزنا رقم الحدیث 1697)

نبی کریم ﷺ نے جو فیصلہ صادر فرمایا وہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان ضرور کتاب اللہ سے فیصلہ کرونگا معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کا اطلاق صرف قرآن پر ہی نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی تمام صحیح احادیث پر بھی ہوتا ہے۔ علامہ صاحب کو جہالت اور کم علمی کے نشے میں یہ نکتہ نظر نہ آیا۔

"جب آنکھیں ہوں بند تو آفتاب کا کیا قصور"

پس قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے مطالعہ سے ثابت ہوا کہ صحیح احادیث بھی مأخذ شریعت ہے یعنی صحیح احادیث بھی قرآن کریم کی طرح وحی ہیں جو من جانب اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى

''نبی کریم ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے مگر وہ بولتے ہیں جو وحی کی جاتی ہے''

(النجم 3/53-4)

آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ احادیث بھی وحی ہیں اور یہ بھی من جانب اللہ ہیں، اب اگر کوئی شخص قرآن اور صحیح احادیث میں تفریق کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے نہ کہ قرآن وحدیث کا مصنف نے بڑی ہوشیاری اور فریب جوئی سے حدیث کو (یعنی جو کتاب اللہ ہے) شرک قرار دیا۔مندرجہ ذیل آیت کے بارے میں مصنف کا کیا خیال ہے؟

مَّنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النساء 80/4)

''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی''۔

میرے خیال میں یہاں بھی مصنف کو شرک ہی نظر آیا ہوگا؟ کیونکہ اللہ نے اپنی اطاعت کے ساتھ نبی ﷺ کی اطاعت کا ذکر کیا ہے۔محترم قارئین **اصح الکتب بعد کتاب الله** سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ کی جمع کردہ صحیح احادیث ہیں جو من جانب اللہ ہیں ان کو شرک گردانا لغو اور جہالت ہے اور سبیل المؤمنین کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر 2:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 13 پر صحیح بخاری کی ایک حدیث ذکر کرتا ہے کہ:

''مراراً كئی يتردی من رؤوس شواهق الجبال فكلما أوفى بذروة جبل لكى يلقى منه نفسه......... (صحیح بخاری کتاب التعبیر رقم الحدیث .6982)

''وحی نہ آنے کی وجہ سے رنج کے مارے کئی بار آپ ﷺ خودکشی کرنے پر تیار ہوگئے اگر جبریل علیہ السلام آکر دلاسہ نہ دیتے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں تو آپ ﷺ خودکشی کرنے پر کئی بار تیار ہوگئے تھے ۔۔۔۔''

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد مصنف آگے لکھتا ہے کہ ''یہ ہے امام بخاری اور ان کے معتمد علیہ استاذ

امام زہری کا مذہب جو بڑی خوشی کے ساتھ امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے بار بار آپ ﷺ سے کفر کی تیاری کرواتے (معاذ اللہ) نہ بخاری کو قرآن کا علم نہ انکے امام زہری کو علم نہ امام بخاری کو آپ (ﷺ) کی حیثیت نبوی کا پاس نہ زہری ایسے بکواسی آدمی کو! دونوں نے ملکر آپ ﷺ سے کئی بار کفر پر مرنے کی تیاری کروائی۔ (قرآن مقدس۔۔۔ص 13-14)

جواب:۔

قارئین کرام آپ نے دیکھا کس قدر بکواس اور لفاظی کے ساتھ مصنف نے نبی کریم ﷺ کی حدیث اور محدثین کی جماعت کو نشانہ بنایا تف ہے ایسی لفاظی پر۔مصنف نے اس حدیث کو پیش کرنے سے پہلے ایک قاعدہ ذکر کیا کہ خودکشی کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے اور دلیل کے طور پر سورۃ یوسف کی آیت 87 ذکر کی۔ مصنف نے بڑے دھڑلے سے امام بخاری رحمہ اللہ کو اور امام زہری رحمہ اللہ کو بکواسی اور لاعلم ثابت کرنے کی کوشش کی۔یہ دونوں تو اتنے عظیم عالم تھے پوری امت ان پر آج تک رشک کرتی ہے۔اور رہا سوال مصنف علامہ احمد سعید کا تو انکی قابلیت تو یہیں سے آشکارا ہوجاتی ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث جس پر وہ اپنا زہر گھول رہا ہے وہ تو ابتدائی وحی تھی اور سورہ یوسف تو کافی سالوں بعد نازل ہوئی جس سے وہ خودکشی کی حرمت ثابت کررہے ہیں۔اندازہ کیجئیے! مصنف کس قدر جاہل اور بکواسی ہے۔

دوسری بات صحیح بخاری کی حدیث میں ''ارادے'' کا ذکر ہے یعنی اس ارادے کے ساتھ پہاڑ پر نبی کریم ﷺ چڑھ جایا کرتے تھے لیکن جبریل علیہ السلام آکر انھیں دلاسا دیتے تو نبی کریم ﷺ ارادے سے باز آجاتے تھے کیونکہ ابھی نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے اس ارادے سے نہیں روکا گیا تھا۔اس کی مثال میں قرآن سے پیش کرتا ہوں کہ: نبی کریم ﷺ نے اپنے لئے شہد حرام قرار دیا تھا قرآن کریم سورہ تحریم میں فرماتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (التحریم 1/66)

''اے نبی! جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا آپ اسے حرام کیوں کرتے ہیں۔''

بتائیے آپ کیا کہیں گے اس آیت مبارکہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ایک چیز کو اپنے لئے حرام کردیا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا تھا۔ یقیناً ہم یہی کہیں گے کہ اس آیت مبارکہ سے پہلے نبی کریم ﷺ کو روکا نہیں گیا تھا بالکل اسی طرح اس وقت نبی کریم ﷺ کو اس فعل (ارادے) سے وحی کے ذریعے روکا نہیں گیا تھا۔ اس بات کو ایک دوسری مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

مریم علیہا السلام کو جب حمل ٹہرا تو قرآن کریم فرماتا ہے۔

قَالَتْ يَا لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْياً مَّنْسِيّاً (مریم 23/19)

''کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور میرا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔''

غور طلب بات ہے کہ مریم علیہا السلام کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے کہ انہوں نے مرنے کی آرزو کی کیا مصنف اس آیت کو بھی اسلام دشمنی قرار دے گا۔ اگر نہیں تو پھر صحیح بخاری کی حدیث کے خلاف اتنا بغض کیوں؟؟ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ مصنف نے اپنے مؤقف کی تائید کے لئے اپنی کتاب کے صفحہ 13 پر حدیث نقل کی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا رکھنے والے کو پسند نہ کیا اور موت کی تمنا کرنے سے منع فرمادیا''۔

قارئین کرام مندرجہ بالا حدیث جس سے مصنف نے حجت پکڑی ہے اسے امام الدنیا، امیر المحدثین، شیخ الاسلام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف صحیح بخاری میں نقل کی ہے۔ مصنف نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ 14 پر امام بخاری رحمہ اللہ کو دشمن رسالت باور کرایا ہے مصنف کی اس حالت کو کیا کہیں یہ تو نشہ اور مستی کی حالت ہے یا تو یہ مصنف کی جہالت اور کم علمی کا نشہ ہے یا پھر یہ یہود ونصاری کا آلہ کار ہے۔ یہ صرف شیطان کی پیروی ہے اس کے سوا کچھ نہیں امام بخاری رحمہ اللہ امام المحدثین ہیں جن کی عظمت کو امت مسلمہ تسلیم کرتی ہے مصنف نے جوان پر کیچڑ اچھالنے کی ناپاک کوشش کی ہے وہ کوشش ان شاء اللہ تباہ و برباد ہوکر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ مزید ارشاد فرماتا ہے:

''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْن'' (الشعراء 3/26)

''(اے نبی ﷺ) ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھودیں گے۔''

اس آیت کے بارے میں مصنف کا کیا جواب ہے؟ کیا اس آیت کے بارے میں بھی مصنف وہی روّیہ رکھے گا جو حدیث کے بارے میں ہے نہیں تو پھر حدیث پر اعتراض کیوں؟ اسی لئے کہ مصنف جاہل ہے۔ مصنف کا اعتراض بے ادبی، لغویات اور بکواس پر مبنی ہے جو ایک ادنی سے ادنی طالب علم پر بھی عیاں ہے۔

اعتراض نمبر 3:۔

مصنف اپنی کتاب 'قرآن مقدس اور بخاری محدث' کے صفحات 15,16,17 اور 18 میں حدیث سحر پر اعتراض کرتا ہے اور ہشام کو کذاب مدلس کہتا ہے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ پر جو جادو ہوا اسے مشتبہ بنانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔

جواب:۔

کاش مصنف قرآن کریم کو عقل کی آنکھ جو کہ حالت سکر (نشہ) کی وجہ سے غائب ہے سے پڑھ لیتا تو اسے صحیح بخاری کی یہ حدیث مشتبہ نظر نہ آتی اور نہ ہی وہ لفاظی کرتا۔ مصنف نے بڑی چالاکی سے آیت کے ترجمہ اور مفہوم کو کچھ کا کچھ بنادیا۔ کیونکہ مصنف خائن ہے مصنف نے اپنے مؤقف پر چند آیات سے غلط استدلال کیا ہے۔

1) وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى (طٰہٰ 69/20)

''جادوگر کہیں سے بھی آجائے کامیاب نہیں ہوگا''۔

2) إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (حجر 15/ 40)

''تیرے مخلص بندوں پر میری کسی شرارت کا اثر نہ ہوگا''۔

3) وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ إِنْ تَتَّبِعُوْنَ إِلَّا رَجُلاً مَّسْحُوْرًا (فرقان 8/25)

''اور ظالموں نے کہا نہیں وہ اتباع کرتے مگر سحر زدہ آدمی کی''۔

1) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جادوگر کبھی بھی کامیاب نہ ہوگا تو یقیناً کسی صحیح حدیث میں موجود نہیں ہے کہ لبید بن اعصم جس نے نبی کریم ﷺ پر جادو کیا تھا وہ کامیاب ہوگیا بلکہ اسے تو منہ کی کھانی پڑی۔

2) آیت مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ (شیطان کہتا ہے کہ) تیرے مخلص بندوں پر میرا کوئی زور نہ ہوگا اگر ہم صحیح حدیث کا مطالعہ کریں تو یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ شیطان نے بہت کچھ چاہا لیکن وہ پوارنہ ہوسکا اور وہ جادو نبی ﷺ کی دینی زندگی پر اثر انداز نہ ہوسکا اور اللہ نے اپنے نبی کو بچالیا۔

(3) جہاں تک سورہ فرقان کی آیت کا تعلق ہے تو وہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور جادو نبی ﷺ پر مدینہ میں ہوا تھا لہٰذا اس آیت سے استدلال غلط ہے دوسری بات یہ ہے کہ مسحوراً کے لغوی معنی ہے۔

" ذاهب العقل مفسرا "

''عقل کا جانا اور بگاڑ پیدا ہونا'' (لسان العرب جلد6ص186)

یعنی جس کی عقل ہی ختم ہوگئی ہو۔ (جیسا کہ سعید خان ملتانی کی) لیکن جب ہم اس باب میں صحیح احادیث کا بغور مطالعہ کریں تو ایسی کوئی بات کسی حدیث میں نہیں دوسری بات یہ ہے کہ یہ اعتراض نبی ﷺ پر قرآن پیش کرنے کی وجہ سے کفار کرتے تھے نہ کہ جادو کی وجہ سے۔ اب ہم ان شاء اللہ مفصل جواب دیں گے۔
جادو کی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!

"كتاب الجهاد باب هل يعفى عن الذمى اذا سحر،رقم الحديث3175

"كتاب بدء الخلق باب صفة ابليس وجنوده ،رقم الحديث 3268

"كتاب الطب باب السحر، رقم الحديث5763, 5766

كتاب الطب باب هل يستخرج السحر رقم الحديث5765

"كتاب الادب باب قول الله ان الله يأمركم بالعدل، رقم الحديث 6063

"كتاب الدعوات باب تكرير الدعا ،رقم الحديث 6391

موصوف نے حدیث کے مرکزی راوی ہشام رحمہ اللہ پر طعن کیا اور انہیں کاذب گردانا ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے یہ جرح کس سے نقل کی ہے ایک تو نبی کریم ﷺ پر الزام لگایا دوسرے قرآن کریم کے معنی میں تحریف کی جہاں تک تعلق امام ہشام کا ہے تو ان کو ائمہ حدیث نے ثقہ قرار دیا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'وقد احتج بهشام جميع الائمة' (مقدمه فتح البارى ص625)

''یقیناً ہشام سے تمام ائمہ نے احتجاج پکڑا ہے۔ (یعنی ہشام کی روایت کو بطور دلیل وحجت پکڑا ہے)''

محمد بن سعد نے کہا:

''كان ثقة ثبتا كثير الحديث حجة''

''ثقہ تھے ثبت تھے زیادہ احادیث روایت کرنے والے تھے حجت تھے''

ابو حاتم نے کہا:

''ثقة امام فى الحديث''

''ثقہ اور حدیث کا امام ہے''

(تهذيب الكمال امام مزى ،الكاشف امام ذهبى ،تقريب التهذيب ابن حجر العسقلانى ،طبقات ابن سعد)

مصنف نے جو الزام امام ہشام رحمہ اللہ پر لگایا ہے وہ بلا دلیل ہے یا تو مصنف اسماء رجال کے علم سے بالکل ناواقف ہے یا پھر مصنف انتہائی درجے کا بدنیت ہے۔ دوسرا اعتراض مصنف کا یہ ہے کہ آپ ﷺ علیل ہوگئے خلاف واقعہ باتیں کرنے لگے آپ ﷺ نڈھال ہوگئے۔ (قرآن مقدس اور بخاری محدث۔ص17)

قارئین کرام ہم ذیل میں صحیح بخاری کی مکمل حدیث نقل کردیتے ہیں روایت نقل کرنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ یہ شیطانی چال اور مکروفریب مصنف کا ہے جو حدیث دشمنی کا واضح ثبوت ہے۔

''خود تو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں''

...عن هشام عن أبيه عن عائشة رضى الله عنها قالت سحر رسول الله ﷺ رجل من بنى زريق يقال له لبيد بن الاعصم حتى كان رسول الله ﷺ يخيل اليه..... (صحيح بخارى كتاب الطب باب السحررقم الحديث5763)

''عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بنی زریق کے ایک شخص (یہودی) لبید بن الاعصم نے نبی کریم ﷺ پر جادو کردیا آپ ﷺ کا یہ حال ہوگیا کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا جیسے ایک کام کررہے ہیں حالانکہ وہ کام آپ ﷺ نے نہیں کیا ہوتا ایک دن یا ایک رات ایسا ہوا کہ آپ ﷺ میرے پاس تھے مگر میری طرف متوجہ نہ تھے بس دعا کررہے تھے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ میں اللہ تعالیٰ سے جو بات دریافت کررہا تھا وہ اس نے (اپنے فضل سے) مجھ کو بتلادی میرے پاس دو فرشتے آئے (جبریل اور میکائیل) ایک تو میرے سرہانے

بیٹھ گیا اور دوسرا میرے قدموں کے پاس اب ایک دوسرے سے پوچھنے لگا یہ تو کہو ان صاحب (محمد ﷺ) کو کیا بیماری ہوگئی اس نے جواب دیا ان پر جادو ہوا ہے پہلے فرشتے نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے دوسرے نے کہا لبید بن الاعصم نے......"۔

خط کشیدہ الفاظ قابل غور ہیں۔ قارئین کرام جادو کا اثر نبی کریم ﷺ پر صرف اتنا ہوا کہ آپ ﷺ کا دنیاوی معاملہ متاثر ہوا یعنی آپ ﷺ کو خیال ہوتا کہ کوئی کام آپ ﷺ نے کیا جبکہ وہ کام نہیں کیا ہوتا۔ افسوس مصنف نے انتہائی غلو سے کام لیا اور پیغمبر ﷺ کی حدیث کی عبارت میں خیانت کی اور اس کے مفہوم کو تبدیل کر دیا۔ حالانکہ اسی حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے اللہ سے دعا کی یعنی عبادات اسی طرح جاری تھیں جس طرح بقیہ زندگی میں۔ اگر جادو اتنا ہی اثر انداز ہو جاتا (جیسے مصنف نے باور کرانے کی کوشش کی) تو آپ ﷺ اللہ سے دعا ہی نہیں کرتے۔ ایک اور بات عرض کرتا چلوں کہ مصنف نے بغیر کسی دلیل کے حدیث پر اعتراض کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ آپ کو لوگوں کی ایذا سے محفوظ رکھے گا اسی وجہ سے جادو کے باوجود نبی کریم ﷺ نے نہ کبھی نماز چھوڑی نہ ہی چار کی جگہ دو رکعت پڑھی، اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ مغرب کی جگہ عشاء پڑھ لی یہ جادو صرف نبی کریم ﷺ کے دنیاوی معاملات پر اثر انداز ہوا تھا نہ کہ دینی کیونکہ دینی معاملات کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ (الحجر 9/15)

"ذکر کو ہم ہی نے نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

نوٹ: (ذکر سے مراد یہاں قرآن اور صحیح حدیث دونوں ہیں)

ایک اور بات کہ جادو کے اثر سے نبی کریم ﷺ بھول جایا کرتے تھے اگر یہ بھول نبوت کے منافی ہے تو قرآن کریم فرماتا ہے:

"فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا" (الکھف 61/18)

"کہ جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہ اپنی مچھلی بھول گئے"

بلکہ قرآن کریم تو یہاں تک فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى O إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ (الاعلی 6/87)

"ہم تمہیں پڑھائیں گے پھر تم نہ بھولو گے مگر وہ جو اللہ چاہے۔"

جب بھول اور نسیان قرآن سے ثابت ہے تو پھر صحیح بخاری کی حدیث پر اعتراض کیوں؟ مولانا مودودی مرحوم اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں راقم ہیں کہ:

"....کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں (یعنی جادو کی کیفیت کے دوران) آپ ﷺ قرآن مجید بھول گئے ہوں، یا کوئی آیت غلط پڑھی ہو۔ یا اپنی صحبتوں میں اور اپنے وعظوں اور خطبوں میں آپ کی تعلیمات کے اندر کوئی فرق واقع ہو گیا ہو یا کوئی ایسا کلام وحی کی حیثیت پیش کر دیا ہو۔ جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو...ایسی کوئی بات معاذ اللہ پیش آجاتی تو دھوم مچ جاتی اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکی تھی اسے ایک جادوگر کے جادو نے چت کر دیا۔ لیکن آپ کی حیثیت نبوت اس سے بالکل غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں آپ ﷺ اپنی جگہ محسوس کر کے پریشان ہوتے رہے۔" (تفہیم القرآن جلد 6 ص 554-555)

الحمد للہ یہ بات عیاں ہوئی کہ وہ نقشہ جو مصنف نے اپنی کتاب میں کھینچا وہ بالکل لغو بکواس اور سراپا الزام ہے نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم جادو کے متعلق دوٹوک فیصلہ دیتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ بَلْ أَلْقُوْا فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعٰى o فَأَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهِ خِيْفَةً مُّوْسٰى (طٰہ 66-67/20)

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ہی ڈالو پھر ان کے سحر کے اثر سے موسیٰ علیہ السلام کو خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں یکدم دوڑنے لگ گئیں، پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا"۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوْٓا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (اعراف 116/7)

’’پھر جب انہوں نے رسیاں پھینکی تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کیا اور انہیں خوف زدہ کر دیا....‘‘

ان دونوں آیات سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں ڈالیں تو جادو کے اثر سے لوگ بھی خوف زدہ ہوئے اور موسی علیہ السلام بھی، یعنی لوگوں پر اور موسی علیہ السلام پر جادو کا اثر ہوا۔ جب موسٰی علیہ السلام پر جادو اثر کر سکتا ہے تو نبی کریم ﷺ پر کیونکر نہیں کر سکتا؟ حالانکہ قرآن کریم نے موسٰی علیہ السلام کو نبی ﷺ کا مماثل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّا أَرۡسَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ رَسُولاً شَاهِداً عَلَيۡكُمۡ كَمَآ أَرۡسَلۡنَآ إِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُولاً

’’ہم نے تمہاری طرف اسی طرح کا رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بنا کر بھیجا۔‘‘

(المذمل 15/73)

انبیاء علیہم السلام تو بے شمار گذرے لیکن جتنی مماثلت موسٰی علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے درمیان تھی اتنی مماثلت کسی اور نبی کے ساتھ نہ تھی۔ مثلاً دونوں ماں باپ سے پیدا ہوئے دونوں کی شادی اور انکے ہاں اولاد ہوئی موسٰی علیہ السلام نے ہجرت کی تو آپ ﷺ نے بھی ہجرت کی موسٰی علیہ السلام کے دور کا فرعون ہلاک ہوا تو نبی کریم ﷺ کے دور کا فرعون ابو جہل بھی ہلاک ہوا، موسٰی علیہ السلام نے جہاد کیا نبی کریم ﷺ نے بھی جہاد کیا، موسٰی علیہ السلام کے جانشین ان کے خاندان نبوت کا فرد نہیں بلکہ صحابی یوشع بن نون بنے تو آپ ﷺ کے جانشین بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اسی طرح موسٰی علیہ السلام پر جادو ہوا تو نبی کریم ﷺ پر بھی جادو ہوا یہ وہ حقائق ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آتا ہے اب ان حقائق سے انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ملحد ہو گا یا اس کا تعلق دین محمدی ﷺ سے نہیں ہو گا۔

لہٰذا مصنف کے تمام اعتراضات صرف اور صرف حدیث دشمنی کی وجہ سے ہے باقی حق آپ کے سامنے ہے۔

اعتراض نمبر 4:۔

مصنف لکھتا ہے ’’امام بخاری کہتا ہے اللہ پاک بندے میں حلول کر کے اس کے اعضاء بن جاتا ہے

اور کہتا ہے کہ میں بندہ کے کان ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں وہ بندہ میرے کانوں سے سنتا ہے میرے پاؤں سے چلتا ہے میں بندہ کی آنکھ بن جاتا ہوں اور وہ میری آنکھ سے دیکھتا ہے وغیرہ وغیرہ......امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری کتاب الرقاق 963 پر بڑے جذبات کے ساتھ یہود ونصاری کے مذہب کی ترجمانی کر کے قرآن سے خود اللہ کریم سے بغاوت کی روایت ٹانک دی ہے......‘‘ (قرآن مقدس....ص20,19)

جواب:۔

مصنف نے حسب عادت یہاں بھی انتہائی درجہ کی خیانت کی ہے حدیث کے الفاظ میں ہیر پھیر کر کے حدیث کے مفہوم کو تبدیل کرنے کی کوشش ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس حدیث کو اس طرح ذکر فرماتے ہیں:

’’قال رسول الله ﷺ :ان الله قا ل من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب...‘‘

(صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع رقم الحدیث 6502)

’’نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے گا میں اس کو یہ خبر دیتا ہوں کہ میں اس سے لڑوں گا اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے ،نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور میرا بندہ (فرض ادا کرنے کے بعد) نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے وہ اگر مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں.....الخ‘‘

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں بنیادی نکتہ ’’اللہ تعالیٰ کا قرب ہے‘‘ اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنے صبح وشام گزارے گا فرائض کی پابندی کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہونا، کان ہونا، آنکھیں ہونا، پیر ہونا، اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں حلول کر جاتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب نیک بندہ کوئی کام کرتا ہے اور وہ اس کے لئے اپنی نگاہیں استعمال

کرتا ہے تو وہ اپنی نگاہیں ایسی جگہ استعمال کرتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہ اپنے ہاتھوں کا بھی ایسی جگہ استعمال کرتا ہے جہاں اللہ کی رضا ہوتی ہے وہ اپنے قدموں کو وہاں لے جاتا ہے جہاں اللہ کی خوشنودی ہوتی ہے یہی حدیث مبارکہ کا مطلب ہے۔

دوسرا مطلب، میدان جہاد میں جب یہ اللہ کا نیک بندہ اپنے آپ کو پیش کرتا ہے تو دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اپنی مدد اس کے ہاتھ پاؤں، نظروں، کے ذریعے کرتا ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچاتا ہے اور اس کی رضامندی کے لئے اپنے جوارح کو استعمال کرتا ہے یہی مطلب ہے نبی کریم ﷺ کی حدیث کا مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"

(الانفال 17/8)

"کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا لیکن انہیں اللہ تعالیٰ نے قتل کیا اور جب آپ نے مٹی پھینکی تو وہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی"۔

اگر کوئی شخص بدنیتی سے غلط مطلب لینا چاہے تو یقیناً اس آیت مبارکہ سے بھی غلط مطلب اخذ کر سکتا ہے۔ جس طرح موصوف نے حدیث مبارکہ سے غلط مفہوم اخذ کئے۔ آخر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کافروں پر پھینکی کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ زمین پر آ گیا تھا یعنی کیا یہ آیت وحدت الوجود اور وحدت الشہود والوں کے باطل نظریے کو تقویت دیتی ہے لیکن ہم جواباً یہ کہیں گے کہ نبی کریم ﷺ کا پھینکنا (کافروں کی طرف) اللہ تعالیٰ کا پھینکنا یوں تھا کہ پھینکا تو نبی کریم ﷺ نے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت اس لئے کی کہ اس کی رمی (یعنی نبی ﷺ کے پھینکنے) میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال تھی۔ بلکہ یہی جواب ہے حدیث مبارکہ کا کہ اس بندے کا ہاتھ بننے سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے میں حلول ہو گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ شامل حال ہو جاتی ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حافظ ابن حجر کی فتح الباری جلد 11 ص 414 تا 422)

اعتراض نمبر 5:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 21 پر صحیح بخاری کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔

لیکن امام بخاریؒ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کے جنتیوں کو کھلائے گا جس طرح بندے روٹی کو ڈھال کر توے پر پکا کر اور آگ سے سینک کر دسترخوان پر رکھتے ہیں۔ اسی طرح اللہ پاک بھی اپنے ہاتھ سے زمین کی روٹی بنا کر اور ڈھال کر دسترخوان پر رکھے گا اور ستر ہزار بہشتی مہمان کھائیں گے۔

جواب:۔

مصنف نے یہاں حسب عادت بدنیتی سے کام لیا ہے۔ حدیث کا بیان دراصل کچھ اور ہے اور مصنف نے اس کو کچھ اور بنا دیا ہے۔ اور حدیث سابقہ کی طرح مندرجہ بالا حدیث کے متن میں بھی مصنف نے خیانت کی ہے اپنی طرف سے الفاظ گھڑ کر حدیث کے مفہوم کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے جو انتہائی شرمناک عمل ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مصنف علوم الحدیث سے بالکل ہی نابلد ہے۔ نہ تو اسے روایت حدیث کا علم ہے اور نہ ہی متن حدیث کا۔ کتنا ہی اچھا ہوتا کہ احادیث کے انکار کے بجائے کسی اہل علم کے سامنے دوزانوں ہو کر علوم حدیث کو سمجھ لیتا۔

"لیکن میں تو ڈوبوں گا اور تمہیں بھی لے ڈوبوں گا صنم"

مصنف کی جہالت تو آپ کے سامنے ہی ہے۔ قارئین کرام اس حدیث میں جو روٹی کا ذکر ہے میں اس پر بحث کرنے سے پہلے حدیث کا متن اور صحیح ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرونگا ان شاء اللہ اس کے بعد ہم بحث کریں گے کہ اس حدیث مبارکہ سے کتنے خوبصورت موتی نکلتے ہیں جس کو مصنف اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھنے سے قاصر رہا۔

قال رسول الله ﷺ :۔" تکون الارض یوم القیٰمة خبزة واحدة یتکفوها الجبار بیده کما یکفأ احدکم .....

(صحیح البخاری کتاب الرقاق باب یقبض اللّٰه الارض یوم القیامة رقم الحدیث 6520)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ساری زمین ایک روٹی کی طرح ہوجائے گی،اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے جنتیوں کی مہمان نوازی کے لئے اس کو الٹے پلٹے گا جیسے تم میں سے کوئی مسافر اپنی روٹی الٹ پلٹ کرتا ہے۔۔۔۔۔''۔

قیامت کے دن زمین کو اللہ کے ہاتھ میں لینے کے بارے میں تو قرآن مجید میں بھی وارد ہوا ہے:

وَالْأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الزمر 39/ 67)

''قیامت کے دن ساری زمین اللہ کی مٹھی میں ہوگی''۔

رہا سوال کہ اللہ تعالیٰ زمین کو روٹی بنا کر اہل جنت کی میز بانی کریگا۔تو لگتا ہے کہ مصنف کو اللہ کے قادر ہونے میں شک ہے اور اس کو اپنے ایمان کی تجدید کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر ارشاد فرمایا: **ان الله علی کل شئی قدیر**'' ''**والله علی کل شئی قدیر**''۔جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اس چیز پر بھی قادر ہے کہ زمین کو روٹی بنا کر اہل جنت کی میز بانی کرے۔

قارئین کرام اس حدیث مبارکہ سے جو بات واضح ہوتی ہے اس کا تعلق (Astronomy) علم فلکیات سے بھی ہوسکتا ہے جس کا علم مصنف کو نہیں کیونکہ مصنف ایک تنگ نظر اور بدنیت شخص ہے اور اس کے اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پہنچ صرف روٹی تک ہی محدود ہے یہ حدیث معجزہ پر مبنی ہے باقی رہا دنیا کی روٹی سے جنت کی نعمتوں کو مشابہت دینا تو یہ اعتراض بھی فضول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جنت اور اہل جنت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

كُلَّمَا رُزِقُواْ مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقاً قَالُواهـٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرة 25/2)

''جب کبھی وہ جنت کے پھلوں میں سے رزق دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے''۔

غور فرمائیں جنتی لوگوں کو جب جنت میں پھل دیئے جائیں گے تو وہ محسوس کریں گے انہوں نے اس سے پہلے یعنی دنیا میں بھی ایسے ہی ملتے جلتے پھل کھائے اب مصنف اس آیت مبارکہ کے بارے میں کیا کہے گا جو اس آیت مبارکہ کا جواب ہوگا وہی جواب اس حدیث کا بھی ہے۔**ان شاء الله**۔

لہٰذا حدیث اعتراض سے پاک ہے کاش مصنف حدیث پر اعتراض سے پہلے قرآن پر غور کر لیتا۔

اعتراض نمبر 6:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 22 پر لکھتا ہے کہ:

انہوں نے (امام بخاری رحمہ اللہ نے) لعنتی راویوں پر اعتماد کلی کر کے ام البشر حضرت حواء کو خیانت کرنے والیوں میں ذکر کر دیا بلکہ تمام عورتوں کا خیانت کرنے میں بنیادی نکتہ آغاز حواء ہی کو ذکر کر دیا........

جواب:۔

قارئین کرام اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے جو شخص کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ اس کا مستحق نہیں تو لعنت کہنے والے پر ہی لوٹتی ہے حدیث کا مفہوم وہ نہیں جسے مصنف نے یہاں بیان کیا ہے اصل حدیث اس طرح ہے:

''عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی (ﷺ) نحوه يعنی لولا بنو اسرائيل لم يخنز اللحم ولولا حواء لم تخن أنثى زوجها .

(صحيح بخاری کتاب الأنبياء باب خلق آدم وذريته رقم الحديث 3330)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑتا،اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے دغا نہ کرتی''۔

مصنف کا خیال ہے کہ دغا ام البشر حواء کی وجہ سے ہوتا ہے، جو کہ جہالت پر مبنی ہے۔مصنف کے پاس علم تو ہے ہی نہیں اب ایسا لگتا ہے کہ عقل سے بھی کورا ہے جناب اگر حواء پیدا ہی نہ ہوتیں تو ''علامہ سعید خان ملتانی'' کہاں سے پیدا ہوتے یعنی علامہ صاحب نے حدیث میں جو خیانت کی ہے تو اگر حواء پیدا ہی نہ ہوئی ہوتیں تو علامہ صاحب بھی نہ ہوتے اگر علامہ صاحب بھی نہ ہوتے تو خیانت بھی نہ ہوتی ،اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خیانت حواء نے سکھائی۔قارئین کرام مجھے امید ہے کافی حد تک آپ سمجھ چکے ہونگیں۔

حدیث کا مفہوم ہرگز یہ نہیں کہ حواء کی خیانت فحاشی ہے نعوذ باللہ بلکہ اس کا یہ مفہوم ہے کہ شیطان نے پہلے حواء کو بہکایا اور وہ صنف نازک تھیں کمزور تھیں اور ان کے ذریعے آدم علیہ السلام کو بہکایا اور قرآن میں بھی

درخت کا پھل کھانے کی نسبت آدم وحواء دونوں کی طرف کی گئی ہے۔

اعتراض نمبر 7:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 25 پر نبی کریم ﷺ کی احادیث کو مشتبہ بنا رہا ہے یعنی مصنف کی تحریر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ شاتم رسول ہے ایسے شخص کی سزا اسلام میں صرف اور صرف قتل ہے مصنف مزید اعتراض پیش کرتا ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے چچا ابوطالب کے بارے میں: ''**لعله تنفعه شفاعتی یوم القیٰمة**''

''کہ امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو نفع ہو۔

اس حدیث کو رد کرنے کے لئے مصنف نے قرآن پاک کی آیت پیش کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''**ماکان للنبی والذین آمنوا ....**'' (التوبہ9/ 113)

''نبی ﷺ اور ایمان والوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش طلب کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر واضح ہو گیا کہ...مشرکین جہنمی ہوتے ہیں''۔

جواب:۔

قارئین کرام یہاں پر مصنف نے جو جھانسہ دینے کی کوشش کی ہے، وہ قابل غور ہے!

قیامت میں نبی کریم ﷺ سفارش کریں گے اور مصنف یہ ثابت کرنا چاہ رہا ہے کہ سفارش ناجائز ہے حالانکہ سورہ توبہ میں استغفار کرنے کی ممانعت ہے اور نبی کریم ﷺ سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعت کے حکم کے بعد آپ نے کبھی ان کے لئے استغفار کیا ہو۔ استغفار کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے آخرت میں نہیں۔ اور آخرت میں نبی ﷺ سفارش کرینگے اپنے چچا کی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ کی سفارش ابوطالب کو فائدہ دے گی تو اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''**فیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبیه یغلی منه دماغه**''۔

(صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب قصة ابی طالب رقم الحدیث 3885)

''پس کر دیا جائے گا وہ (ابوطالب) آگ کے پایاب چشمے میں اور آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس کی وجہ سے اس کا دماغ کھولے گا''۔

یعنی ابوطالب کو اس کے ٹخنوں تک آگ پہنچے گی جس سے اسکا دماغ کھولے گا۔ استغفار تو یہ ہے کہ معاف کر دیا جائے یہاں تو کسی قسم کی معافی کا کوئی سوال ہی نہیں انکو ٹخنوں تک عذاب کیوں دیا جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ جرم جتنا بڑا ہوگا اس کی سزا اتنی ہی سخت ہوگی ابوطالب نے پوری زندگی نبی کریم ﷺ کی مخالفت نہیں کی یعنی ابوجہل، ابولہب کے مقابلے میں انکا جرم کم تھا لہٰذا جتنا جرم اتنی سزا۔ مصنف کا اعتراض اس وقت صحیح ہوتا کہ جب ابوطالب کو معاف کر دیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ہمیشہ آگ ہی میں رہے گا۔ اگر مصنف اس سزا کو معافی پر محمول کرتا ہے تو میرا مصنف سے سوال ہے کہ کیا وہ ان آگ کی جوتیوں کے لئے تیار ہے؟ (ویسے حرکتیں تو اسکی یہی ثابت کر رہی ہیں) لہٰذا حدیث اعتراض سے پاک ہے۔

اعتراض نمبر 8:۔

مصنف اپنی جہالت اور بدنیتی کا اعادہ کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ 24 پر صحیح بخاری کی ایک حدیث نقل کرتا ہوا معترض ہے۔ ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن فرمائیں گے:

''اے رب تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ زندہ کرنے کے دن میں تجھ کو ذلیل نہ کرونگا چنانچہ اس سے بڑی ذلت اور کیا ہوگی کہ میرا باپ جہنم میں چلا جائے''۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء474)

آگے رقمطراز ہے:

قرآن میں عدم بصیرت کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو امام بخاری نے اللہ کا وعدہ بنا دیا حالانکہ قرآن میں کتنا صاف لکھا ہوا ہے کہ خلیل اللہ نے دنیا ہی میں اپنے باپ سے برأت کا اعلان کر دیا تھا تو قیامت میں کیسے کہہ سکتے تھے۔

جواب:۔

قارئین کرام اس مسئلہ میں دو باتیں ہیں اول یہ کہ مصنف کا فہم اللہ نے سلب کر لیا ہے اور وہ احادیث کو

سمجھ نہیں سکتا اور دوئم مصنف خیانت اور غلو میں اتنا آگے پہنچ چکا ہے کہ حق اسے نظر ہی نہیں آتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں اس طرح سے ذکر کیا ہے:

"عن ابی ھریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: یلقی ابراھیم اباہ آزر یوم القیٰمة وعلی وجه آزر قترة وغبرة..."

(صحیح بخاری۔کتاب الانبیاء باب قول الله تعالیٰ واتخذ الله ابراھیم خلیلا رقم الحدیث 3350)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر کو قیامت کے دن دیکھیں گے کہ اس کے منہ پر سیاہی اور گرد وغبار ہوگی، ان سے کہیں گے کہ میں نے (دنیا میں) تم سے نہیں کہا تھا میری نافرمانی نہ کرنا آزر کہے گا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کرونگا اس وقت ابراہیم علیہ السلام (اللہ تعالیٰ سے) عرض کریں گے پروردگار تو نے (میری دعا قبول کی تھی، جو سورہ شعراء 87/26 میں ہے) مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت کے دن تجھ کو رسوا نہیں کرونگا اس سے زیادہ کونسی رسوائی ہوگی۔ میرا باپ ذلیل ہوا جو تیری رحمت سے محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بہشت تو کافروں پر حرام کردی ہے پھر ابراہیم علیہ السلام کو کہا جائے گا ذرا اپنے پاؤں کے تلے تو دیکھو وہ دیکھیں گے تو ایک بجّو نجاست سے لتھڑا ہوا ہے اور (فرشتے) اس کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیں گے"۔

حدیث سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

1) ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ انکی رسوائی نہ ہو۔

2) سورہ شعراء میں ہے کہ ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ اے اللہ مجھ کو رسوا نہ کرنا۔

3) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو رسوائی سے بچایا نہ کہ آزر کو۔

4) آزر کے عذاب میں کوئی کمی نہیں ہوئی بجو کی صورت میں ہی اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

مذکورہ بالا نتائج سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے اور الحمد للہ کسی محدث یا مفسر نے اس حدیث کو قرآن کے خلاف نہیں سمجھا۔ لیکن مصنف کو نا معلوم یہ حدیث قرآن کے خلاف کیسے نظر آئی۔ یقیناً یہ ایک بدنیت انسان ہے۔

لہٰذا حدیث مبارکہ قرآن کریم کے خلاف نہیں بلکہ مصنف حدیث کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر 9:۔

مصنف صفحہ 28 پر لکھتا ہے:

.........متعہ جیسی لعنت کو زنا میں داخل کیا اور فواحش کی مد میں اسکو ذکر کیا اور فرمایا: **لاتقربوا لزنا** صفحہ 30 پر مزید لکھتا ہے: لیکن امام بخاری آپ ﷺ کے ذمہ قرآن کی صریح مخالفت لگاتے ہیں کہ....آپ نے اپنے اصحاب کو شہوت رانی کے لئے اور چھپی یاری کے لئے زنا کی یعنی متعہ کی اجازت عام دے دی تھی۔

جواب:۔

مصنف نے یہ ثابت کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے کہ کسی بھی طریقے سے متعہ کو زنا قرار دے دیا جائے قارئین کرام اگر ہم متعہ کی اجازت کے بارے میں اس کا پس منظر کا مطالعہ کریں تو یقیناً ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ متعہ صرف تین یوم کے لئے جائز رکھا اس کے بعد قیامت تک کے لئے اسے حرام قرار دے دیا گیا ہے مصنف نے متعہ کی اجازت کی حدیث تو پیش کردی لیکن اس کی حرمت والی روایت کو ہڑپ کر گیا۔ صحیح بخاری ہی میں یہ حدیث موجود ہے:

"ان النبی ﷺ نھی عن المتعة وعن لحوم الحمر الأھلیة زمن خیبر"

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب نھی رسول الله ﷺ عن نکاح المتعة آخرا رقم الحدیث 5115)

"نبی کریم ﷺ نے خیبر کی جنگ میں متعہ اور سدھائے ہوئے گدھوں کے گوشت سے منع کیا"۔

یعنی خیبر کے دن ہی متعہ کی حرمت ثابت ہو چکی تھی، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ متعہ کی اجازت کیوں دی گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافی عرصے سے میدان جہاد میں گامزن تھے اور وہ اپنی ازواج سے دور رہے ان کی اس مجبوری کو دیکھ کر اللہ کے نبی ﷺ نے 3 دن کے لئے متعہ کی اجازت دے دی پھر قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ متعہ اور نکاح میں کیا فرق ہے دراصل ان دونوں میں قدر مشترک اللہ کی اجازت ہے نکاح جو کہ عمومی حالت میں انسان کرتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم عورتوں کی شرمگاہوں کو اللہ کے حکم سے حلال کرتے ہو۔یعنی نکاح میں جو اصل چیز ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے اور جہاں تک متعہ کا تعلق ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے اور اس کی اجازت بھی نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی اور اب اس کے بعد اسے حرام کر دیا گیا اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے یعنی دونوں کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے۔لہٰذا امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ متعہ کی تین یوم تک نبی کریم ﷺ نے اجازت دی تھی اس کے بعد قیامت تک کے لئے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔(تفصیل کے لئے دیکھیئے **سبل السلام شرح بلوغ المرام للصنعانی ،نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار للشوکانی**) حافظ ابن حجر فتح الباری میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

"**وقد وردت عدة احاديث صحيحة صريحة بالنهى عنها بعد الاذن فيها**"

''کئی احادیث صحیحہ صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں متعہ کی ممانعت میں اس کی اجازت کے بعد''

(فتح الباری جلد 9 ص 208)

لہٰذا حدیث اعتراض سے پاک ہے۔

اعتراض نمبر 10:۔

مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ 31 پر قرآن کریم میں اضافہ کرنے کی ناپاک جرم کی جسارت کی۔وہ لکھتا ہے:

قرآن مقدس میں نکاح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت کا حق مہر مال ہونا ضروری ہے عورت کے بضع سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ایسا مال دیا جائے جس کی مالیت ہو....اور مال بھی ایسا ہو جس کو عرف عام میں مال کہا جاتا ہو....ردی کاغذ کا ٹکڑا...درخت کا گرا ہوا یا توڑا ہوا کوئی پتہ...یا پھٹا پرانا کپڑا....یا لوہے تانبے کا چھلہ انگوٹھی اس کو مال نہیں کہا جاتا مال بھی وہ جو بضع کے بدلے عورت کے لئے نفع مند ہو اور اس کی مالیت ہو۔لوہے تانبے کی انگوٹھی تو ویسے ہی حرام ہے اس کی اسلام میں مالیت بھی نہیں ہے....

جواب:۔

مصنف نے جھوٹ اور الزام تراشی میں ہندو پنڈت کی لکھی ہوئی کتاب رنگیلا....کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف اور صرف جھوٹ ہے جس کا تعلق قرآن سے نہیں بلکہ قرآن کریم نے نکاح اور مہر کے مسئلہ کے لئے نبی کریم ﷺ (یعنی احادیث) کی طرف رجوع کا حکم صادر فرمایا ہے اب دیکھئے وہ حدیث جس پر مصنف نے بلاوجہ اعتراض کیا ہے جس میں انسانی مشکلات کا حل موجود ہے۔

" **أن امرأة عرضت نفسها على النبی ﷺ فقال له رجل يا رسول الله ﷺ زوجنيها فقال ماعندک ....**"

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب عرض المرأة نفسها على الرجل الصالح رقم الحدیث 5121)

''ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا اتنے میں ایک شخص بولا یا رسول اللہ ﷺ (اگر آپ کو اس کی خواہش نہ ہو تو) مجھ سے اس کا نکاح کر دیجئے آپ ﷺ نے پوچھا تیرے پاس کچھ ہے کہنے لگا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا جا کچھ تو لے آ کچھ نہ ہو تو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی سہی وہ گیا پھر لوٹ کر آیا اور کہنے لگا اللہ کی قسم مجھ کو تو کچھ نہیں ملا لوہے کی انگوٹھی بھی نہ ملی البتہ یہ تہبند (ازار) میرے پاس ہے اس میں سے آدھا ٹکڑا میں اس کو دے دیتا ہوں....آخر وہ شخص (مایوس ہو کر) بیٹھ گیا بڑی دیر تک بیٹھا رہا (پھر چلنے کے لئے تیار ہوا) رسول اللہ ﷺ نے (اس کو جاتا ہوا) دیکھ کر بلایا یا کسی اور سے بلوایا اور پوچھا ،بھلا تجھ کو قرآن میں سے کیا کیا یاد ہے وہ کہنے لگا فلاں فلاں سورت اسے یاد ہے آپ ﷺ نے فرمایا جا ہم نے ان سورتوں کے بدلے یہ عورت تیری ملکیت (نکاح) میں دے دی''۔

نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث ان غریبوں اور مسکینوں کے لئے سہولت بہم پہنچا رہی ہے جو ایک انگوٹھی دینے کی بھی طاقت نہیں رکھتے ان کو ایسی سہولت فراہم کر دی گئی کہ آتی قیامت تک ایسے لوگ نکاح سے محروم نہیں رہیں گے۔جہاں تک مصنف کے جھوٹ اور لغو کا تعلق ہے،لوہے کی انگوٹھی اسلام میں مالیت کا مقام نہیں رکھتی ،تو میں مصنف کو چیلنج کرتا ہوں کہ یہ الفاظ قرآن کریم کی کس آیت کا ترجمہ ہے؟ کیا یہ قرآن کریم میں تحریف نہیں؟ قرآن کریم نے ایک اصول ذکر کیا ہے:

''لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَھَا'' (البقرة 2/286)

''اللہ تعالیٰ کسی پر اتنا بوجھ نہیں ڈالتا جو اس کی بساط سے باہر ہو''۔

اس شخص کے پاس مہر دینے کی طاقت ہی نہ تھی حتی کے لوہے کی ایک انگوٹھی دینے کی بھی استطاعت نہ تھی ایسے لوگوں کے لئے نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث نے سہولت بہم پہنچائی اور یہ حدیث ہرگز قرآن کریم کے خلاف نہیں بلکہ قرآن کریم کے عین مطابق ہے۔مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ 32 پر اسی حدیث پر نئے انداز سے اعتراض اٹھایا اور وہ یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ حدیث میں ذکر ہے کہ اس صحابی کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر آپ کو کچھ قرآن یاد ہے تو اس کے عوض ہم نے آپ کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔

مصنف کہتا ہے کہ یہ بات قرآن کے خلاف ہے کہ قرآن کی سورت کے عوض نکاح کر دیا جائے اور قرآن کی تبلیغ کا معاوضہ حرام ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اس بات کی ممانعت قرآن کی کس آیت میں ہے کہ قرآن کے عوض نکاح نہ کرو؟؟ یہ تو مصنف سیدھے سادھے مسلمانوں کو محض دھوکا دینا چاہتا ہے قرآن دکھا کر قرآن سے لوگوں کو پھیرنا یہ بھی عجیب طریقہ ہے۔

جہاں تک معاملہ اس حدیث کا ہے تو حدیث خرید وفروخت اور سودا بازی کا مسئلہ نہیں سمجھا رہی بلکہ یہاں تو ایک سہولت مہیا کرنا مقصود ہے نہ کہ قرآن کو بیچنا جہاں تک مصنف کے فہم کا تعلق ہے تو مصنف کی عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی اشاعت کے جو ادارے ہیں ان سب کو تالا لگانا پڑے گا کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی اشاعت کے اخراجات ادا کرتے ہیں اور وصول بھی کرتے ہیں جیسے کہ مصنف بھی اپنی کتاب (حالانکہ حدیث دشمنی کوئی دینی کام نہیں) کے لئے اشتہار بازی کرتا ہے دیکھئے اس کی کتاب صفحہ 32، 33 ''ہر قسم کے معیاری پرنٹنگ ......کیلئے تشریف لائیں جماعت کے احباب کے لئے خصوصی رعایت اور ریٹ کم'' اسے تو چاہیے تھا کہ وہ کہہ دیتا کہ میرے گناہ کی سزا اللہ کے ذمے (کیونکہ مصنف ثواب کا کام تو کر ہی نہیں رہا) ہے۔

لہٰذا حدیث پر اعتراض فضول ہے۔

اعتراض نمبر 11:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 33 پر لکھتا ہے قرآن وسنت سے پاک پانی یا پاک مٹی کے بغیر وضو اور طہارت نہیں ہو سکتی ماءِ طہور کے بغیر طہارت حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ طہارت و وضو کے لئے جو پانی استعمال ہو چکا ہو دوبارہ اسی مستعمل پانی سے بھی وضو نہیں ہو سکتا قرآن میں فرمایا ''ان لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا'' اگر پاک پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے وضو کرلو۔یعنی تیمّم کرلو جب وضو کے قائم مقام تیمّم میں پاک مٹی ضروری ہوئی تو پھر اصل یعنی وضو میں پاک پانی ضروری کیوں نہ ہوگا....

جواب:۔

حسب عادت مصنف نے یہاں بھی قرآن پر بے جا الزام لگایا ہے جو آیت مصنف نے پیش کی وہ سورۃ المائدہ کی آیت 6 ہے اس کا ترجمہ یوں ہے۔

''اگر تم پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرلو پاکیزہ مٹی سے.....''

اس آیت کو پیش کر کے مصنف یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اگر کتا کسی پانی میں منہ ڈال دے تو وہ نجس ہو جاتا ہے یہ کس آیت سے استدلال لیا گیا ہے؟؟ جہاں تک امام زہری کا تعلق ہے جس پر مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ 34 پر تنقید کی ہے کہ:

''**قال الزھری اذا ولغ الکلب فی اناء لیس لہ وضوء غیرہ یتوضا بہ....**''

(صحیح بخاری کتاب الوضوء باب الماء الذی یغسل بہ شعرالانسان جلد1 باب 33)

'امام زہری کہتے ہیں اگر کسی برتن میں کتا منہ ڈالے اس کے علاوہ اور پانی نہ ہو تو کتے کے اس جھوٹے سے وضو کیا جائے گا-----'۔

یہ قول امام زہری کا حالت اضطرابی کے لئے ہے یعنی قرآن کہتا ہے کہ اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو یعنی حالت اضطرابی میں اگر مٹی سے تیمّم کو جائز قرار دیا گیا تو وہ تو بالا ولی پانی ہی ہے جس میں کتے نے منہ ڈالا ہے۔یعنی امام زہری کا استدلال حالت مجبوری پر محصور ہے۔کتنا ہی اچھا ہوتا کہ مصنف اعتراض سے پہلے سلف کے اقوال کی طرف بھی رجوع کر لیتا۔

اب رہی بات اس حدیث کی جس کا ذکر مصنف صفحہ 34 پر کرتا ہے۔

''اذاشرب الکلب فی اناء أحدکم فلیغسله سبعا''

''جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات 7 دفعہ دھویا جائے۔

یہ حدیث عمومی حالت پر دلالت کرتی ہے امام زہری کا قول اضطراری حالت کے لئے ہے لہٰذا حالت مجبوری اور حالت عمومی دونوں کے لئے قواعد الگ الگ ہیں مصنف نے بڑی چالاکی سے ان دونوں کیفیات کو ٹکرانے کی ناکام سعی کی ہے۔

اعتراض نمبر 12:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 42 پر لکھتا ہے کہ:

قرآن مقد

س میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ قرآن کو ناپاک آدمی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا ''لا یمسه الاالمطهرون'' نیز احادیث صحاح بھی تصریح کر رہی ہیں کہ قرآن کی تلاوت ناپاک بدن سے نہیں کی جاتی اور خاص جنبی آدمی تو قرآن کی تلاوت یا ہاتھ نہیں لگا سکتا۔۔۔

جواب:۔

قارئین کرام مصنف خود کو ماہر تفسیر والحدیث امام انقلاب کہتا ہے لیکن یہ بہت بڑا جاہل شخص ہے اسے تو اس آیت ''لَّا یَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' کا مطلب ہی نہیں معلوم۔ فقط بکواس کرتا ہے۔

مصنف نے آیت کا رخ جنبی کی جانب موڑا ہے یہ جہالت ہے اس کا تعلق انسانوں کے لمس (چھونے) سے ہے ہی نہیں۔ اس آیت میں ''یَمَسُّهُ'' کی ضمیر لوح محفوظ کی طرف راجع ہے ''مُطَهَّرُوْنَ'' سے مراد فرشتے ہیں نہ کہ انسان قرآن کریم کی ثقاہت میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس کا نزول ایسی جگہ سے ہوتا ہے جہاں شیطان کی پہنچ نہیں۔ جہاں تک مؤمن کے ناپاک ہونے کا تعلق ہے قرآن میں کہاں لکھا ہوا ہے کہ

جنبی ناپاک ہوتا ہے؟ یہاں مصنف نے حدیث سے استدلال کیا تو باقی جگہ پر حدیث کو چھوڑنا اور طعن کرنے کا کیا مقصد ہے؟ لہٰذا آیت مبارکہ کا اشارہ فرشتوں کی طرف ہے اور اس آیت سے جنابت کا مسئلہ نکالنا محض جہالت ہے۔ اگر ہم نبی کریم ﷺ کے اسوہ کی طرف دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے شاہان عجم کو قبول اسلام کے لئے خطوط بھیجے تھے ان میں بھی قرآنی آیات مکتوب تھیں. فلیتدبر

لہٰذا حدیث اعتراض سے پاک ہے۔

اعتراض نمبر 13:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 37 پر اپنی کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک روایت ذکر کرتا ہے کہ:

''ادرکت ثلثین من أصحاب النبی ﷺ کلهم یخاف النفاق علی نفسه''

(بخاری 79/1)

''کہ میں نے تیس (30) اصحاب رسول ﷺ کو ایسی حالت میں پایا ہے کہ تمام کے تمام اس سے ڈرا کرتے تھے کہ کہیں ہم منافق نہ ہوں.....

جواب:۔

یہاں مصنف نے انتہائی درجہ کی علمی خیانت کی ہے اور اس نے ترجمہ کو اتنے غلط انداز میں بیان کیا ہے کہ بات کہیں سے کہیں چلی گئی اس کی اصل وجہ مصنف کی عربی سے ناواقفیت ہے۔ صحیح ترجمہ میں ذیل میں بیان کر دیتا ہوں:

''میں نے تیس صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا کہ وہ اپنے آپ میں نفاق سے ڈرتے تھے''۔

یعنی ان کو اپنے ایمان کی حفاظت کا ڈر تھا اور منافقت سے بیزاری تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ جماعت ہر وقت اپنے ایمان کا جائزہ لیتی تھی اگر اپنے آپ کو منافقت سے ڈرانا غلط ہے تو اس کی دلیل قرآن کی کس آیت میں ہے۔ بلکہ قرآن کریم ہی میں ذکر ہے:

'' وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا آتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلٰی رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ''(مؤمنون 60/23)

''اور وہ اللہ کی راہ میں جو بھی دیں مگر ان کے دلوں کو دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔

آیت مبارکہ پر غور فرمائیں کہ ایمان والے جب بھی خرچ کرتے ہیں تو ان کے دل دھڑکتے ہیں (کہ اللہ کے ہاں مقبول ہوگا کہ نہیں) بتایئے دل کا دھڑکنا کیوں؟ یہ دھڑکنا صرف اور صرف تقوی ہے اور اس کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جیسا کہ بخاری میں ام حارثہ رضی اللہ عنہما کا قصہ موجود ہے:

''کہ حارثہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شہید ہوگئے تو ان کی والدہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ آپ حارثہ رضی اللہ عنہ کا مجھ سے تعلق جانتے ہیں اگر وہ جنت میں ہوا تو میں صبر کرونگی اور اجر کی امید رکھونگی اگر دوسری جگہ ہوا تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں (یعنی رونا پیٹنا) فرمایا: بربادی ہو تیرے لئے (یہاں **کلمة ویحک** استعمال ہوا ہے جو عام طور پر اپنے اصل معنی کے لئے نہیں بولا جاتا) کیا تو نے بچہ گم کر دیا ہے؟ کیا وہ ایک جنت ہے؟ وہ تو کئی ساری جنتیں ہیں اور وہ (حارثہ) جنت الفردوس میں ہے''۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق باب صفة الجنة والنار رقم الحدیث 6550)

اسی وجہ سے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا:

''کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں چوریاں کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں اے صدیق کی بیٹی بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں صلوۃ قائم کرتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ نامقبول نہ ہو جائیں''۔ (ترمذی کتاب التفسیرباب ومن سورة المؤمنین 3175)

لہٰذا صحابہ کا نفاق سے ڈرنا یہ محض تقوی کی علامت ہے۔ مثلاً

''حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے اور فرمایا: کیا حال ہے حنظلہ؟ میں نے کہا: حنظلہ کے دل میں نفاق آگیا۔ (تعجب سے) فرمایا سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں وہ جنت اور جہنم یاد دلاتے ہیں یہاں تک کہ گویا کہ ہم (جنت وجہنم کو) دیکھ رہے ہوتے ہیں پھر جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس سے نکل جاتے اور گھربار اور مال واولاد میں گھل مل جاتے تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم ہمارے

ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے پھر میں اور ابوبکر گئے حتی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے میں نے کہا: حنظلہ کے دل میں نفاق آگیا یا رسول اللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کس بات پر؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت وجہنم یاد دلاتے ہیں گویا کہ ہم جنت وجہنم دیکھ رہے ہوتے ہیں پھر جب ہم آپ کے پاس سے نکل جاتے ہیں اور گھربار اور مال واولاد میں گھل مل جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم ہمیشہ اسی حالت میں رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو اور ذکر میں تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں اور تمہارے راستوں میں مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ کبھی اسطرح اور کبھی اسطرح یعنی ایک گھڑی میں آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور ایک گھڑی میں دنیاوی معاملات میں مشغول ہو۔ آپ ﷺ نے یہ جملہ تین دفعہ ارشاد فرمایا۔

(صحیح مسلم کتاب التوبة باب فضل دوام الذکر...۔2750)

لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہتان اور امام بخاری رحمہ اللہ کو صحابہ دشمن کہنا یہ محض گمراہی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔

اعتراض نمبر 14:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 38 اور 39 پر لکھتا ہے:

قرآن مقدس میں غیر اسلامی اور غیر ضروری اشیاء کی بحث وتمحیص میں پڑنے سے اللہ کریم نے منع فرمایا مثلاً: ''**لاتسئلوا عن أشياء ان تبد لكم تسؤكم**'' یہ پوچھنا کہ یا حضرت میرے باپ کا کیا نام تھا یا میرا باپ مر گیا تھا....

لیکن بخاری صاحب جنکی نظر صرف روایات کے کثیر ڈھیر (یہ الفاظ مؤلف کی کم علمی اور خیانت کی دلیل ہے) کی طرف تھی۔ ''**نهينا في القرآن أن نسأل النبي**'' (بخاری 15/1)'' کہ اللہ نے ہم کو قرآن میں سوال کرنے سے منع کیا ہے''۔

حالانکہ یہ صریح جھوٹ ہے اور بہتان بلکہ قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ نے تاکید کے ساتھ فرمایا:

"فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون ...."

جواب:۔

محترم قارئین مصنف نے قرآن کریم کے ترجمہ میں اپنی گمراہ اور باطل سوچ کا اضافہ کیا ہے (کہ میرے باپ کا کیا نام تھا میرا باپ مرگیا....) یہ الفاظ کہیں بھی قرآن کریم میں نہیں بلکہ یہ محض قرآن پر جھوٹ ہے جو مصنف نے حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔اور رہی بات صحیح بخاری کی حدیث کی کہ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں نبی ﷺ سے سوال کرنے سے قرآن نے روکا۔انس رضی اللہ عنہ کا مطلب دینی مسائل نہیں بلکہ وہ سوالات جو کہ عبث ہیں ان سے قرآن نے روکا اور جہاں تک تعلق ہے قرآن کریم کی اس آیت کا جس میں ذکر ہے کہ:

"سوال کرو اہل ذکر سے (اگر آپ نہیں جانتے)"

تو یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے سوالات کئے جن کا تعلق دنیا اور آخرت کے مسائل سے تھا۔**(صحیح بخاری کتاب الایمان، صحیح بخاری کتاب التفسیر، جامع ترمذی کتاب التفسیر وغیرہ)**

اور جتنے بھی مسائل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، فلاح، حسن سلوک، خیرخواہی، ان تمام کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے پوچھا کرتے تھے۔لہٰذا انس رضی اللہ عنہ کا جن سوالات سے ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ صرف اور صرف ان باتوں کے بارے میں تھا جن کا تعلق کسی بھی زاویہ سے خیر کے ساتھ نہیں تھا۔لہٰذا حدیث پر اعتراض فضول ہے۔

اعتراض نمبر 15:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 40 اور 41 پر لکھتا ہے کہ:.......

اللہ کا پیغمبر ﷺ "**یزکیهم**" ان کو پاک کر رہا ہے اب ان میں کسی قسم کی پلیدی نہیں ہے نہ ظاہری اور نہ باطنی اور اللہ نے بھی صاف فرمایا "**لکن یرید ان یطهرکم**" تو اللہ کا ارادہ پورا ہوا اور وہ ہر طرح پاک ہوگئے..

لیکن بخاری محدث نے بڑے زور سے ایک جھوٹی روایت قرآن کے صریح خلاف نقل کردی جس سے صحابہ کرام کو بدنام کیا جاسکتا ہے.....آپ ﷺ کا دو قبروں سے گزر ہوا ان دونوں انسانوں پر عذاب ہورہا تھا تو فرمایا ان کو عذاب ہورہا ہے.....

اب سوال یہ ہے کہ وہ دو انسان کون تھے (معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کون تھے لیکن بلاوجہ اعتراض کرنا مصنف کا مشغلہ بن چکا ہے) اور کیا تھے اگر وہ دونوں جاہلی کافر و منافق تھے تو قرآن کی نص قطعی کے خلاف جو آپ ﷺ کو منع کررہی ہے آپ ﷺ نے ان کے لئے سفارش کس طرح فرمائی؟ اور اگر یہ دونوں مسلمان تھے تو صحابی کے علاوہ کوئی اور دوسرا نہیں ہوسکتا......

جواب:۔

مصنف اپنی عادت خبیثہ کے مطابق عام مسلمانوں کو حدیث سے بدظن کرنا چاہتا ہے اس کی یہ جستجو کے "هباء منثورا" مانند ہے جو کہ ایک ہی جھونکے میں ریت ہوگیا۔الحمدللہ۔مصنف نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ جن کو قبر میں عذاب ہورہا تھا وہ صحابی تھے یعنی اگر کوئی شخص ان کو صحابی تصور کرلے تو قرآن کا انکار آتا ہے لیکن یہ کوشش مصنف کے اندھے پن کے سوا کچھ نہیں کیونکہ صحیح بخاری میں یہ حدیث اس طرح ہے:

"مرّ النبی ﷺ ...فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورهما فقال النبی ﷺ یعذبان ..."

(صحیح بخاری کتاب الوضوء باب من الکبائر أن لایستتر من بوله رقم الحدیث 216)

"نبی ﷺ گزرے تو...دو انسانوں کی آواز سنی جن کو عذاب دیا جارہا تھا قبروں میں پس نبی کریم ﷺ نے

فرمایا....ان دونوں میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا...''

مصنف کا اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو اللہ نے نبی (ﷺ) کے ذریعے تزکیہ کر دیا تھا تو پھر انکو عذاب کیسا، اگر ان پر عذاب ہو رہا ہے تو یہ قرآن کے خلاف ہے اور اگر یہ افراد صحابی نہیں ہیں تو پھر مسلمان بھی نہیں۔

قارئین کرام یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص اسلاف کے طریقے کو چھوڑتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، مصنف نے صحیح حدیث کو قرآن کے خلاف سمجھ کر ہی اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ ان کی سزا......

ان دو قبروں میں جن کو عذاب ہو رہا تھا کسی حدیث میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ وہ صحابی تھے (صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے نبی ﷺ کو ایمان کی حالت میں دیکھا اور ایمان کی حالت میں فوت ہوا)

حافظ ابن حجر راقم ہیں:

''لم یعرف اسم المقبورین ولا احد هما'' (فتح الباری جلد 1 ص 425)

''ان قبروالوں کے نام پہچانے نہیں گئے''۔

یعنی وہ صحابی نہ تھے اگر مصنف کہتا ہے کہ وہ صحابی تھے تو دلیل مصنف کے ذمے ہے جس سے مصنف پہلے ہی بری ءالذمہ ہو گیا کہ وہ دو انسان کون تھے نہ معلوم ہونے پر اتنا نشانہ بنایا اگر معلوم ہوتا تو پتہ نہیں مصنف کیا ستم ڈھاتا؟؟ اگر وہ دونوں مسلمان تھے تو صحابی کے علاوہ کوئی دوسرا کون ہو سکتا ہے؟ یہ دعوی بھی اس کی کم علمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ الحمد للہ اگر ہم کتب احادیث اور کتب رجال و تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کتنے ہی ایسے مسلمان تھے جو نبی ﷺ کے وقت میں زندہ تھے لیکن ان کو صحابی کا رتبہ نہ مل سکا (کیونکہ انکی ملاقات نبی ﷺ سے ثابت نہ ہوئی) مثلاً،

1) نجاشی

2) اویس قرنی

3) یحی بن ابی حازم وغیرہم۔

یہ وہ اشخاص ہیں جو مسلمان تھے لیکن نبی کریم ﷺ کے دور میں ہونے کے باوجود ان کا شمار صحابہ میں نہیں ہوتا۔

لہٰذا مصنف کا اعتراض کہ نبی ﷺ کے وقت میں صرف اور صرف صحابی ہی مسلمان ہو سکتا ہے یہ محض مصنف کا وہم اور پاگل پن ہے۔

لہٰذا عذاب قبر جن دو اشخاص کو ہو رہا تھا وہ صحابی نہیں بلکہ عامۃ المسلمین میں سے تھے۔ واللہ اعلم!

لہٰذا اعتراض فضول ہے۔

اعتراض نمبر 16:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 44 میں لکھتا ہے...مردہ ''**یسمع قرع نعالهم**'' مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ بھی سن لیتا ہے (بخاری 178/1)

اس حدیث کو لکھنے سے پہلے صفحہ 43 پر لکھتا ہے کہ قرآن مقدس میں ایک نہیں بیسیوں آیات صراحت کے ساتھ کہتی ہیں موت کے بعد کوئی مردہ نہیں سن سکتا....اس کے بعد صفحہ 44 پر صحیح بخاری کی حدیث پر طعن کرتا ہے کہ قلیب بدر کے موقع پر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونک پڑے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کو تو آپ نے پڑھایا ہے کہ مردے نہیں سنتے اب آپ ''**کیف تکلم اجسادا لا أرواح لها**...آپ ﷺ ہی کو تو اللہ نے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور اب آپ ہی ان بے روح دھڑوں سے کلام کر رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا،، **الآن یسمعون**. تو صحابہ سمجھ گئے۔

جواب:۔

قارئین کرام یہ بات تو سو فیصد ثابت شدہ ہے کہ مصنف نے کبھی حدیث تو کیا قرآن بھی دل کی آنکھ سے نہیں پڑھا اگر پڑھ لیتا تو ٹیڑھ نہ رہتی۔ مصنف پرلے درجے کا جھوٹا اور خائن ہے یہ سراسر جھوٹ ہے کہ

بیسیوں آیتیں صراحت کے ساتھ کہتی ہے ....'مردہ نہیں سن سکتا'۔ بکواسی مصنف سے میرا سوال ہے کہ بیسیوں کیا کوئی ایک آیت بھی قرآن میں دکھادے کہ 'مردہ نہیں سن سکتا' مجھے یقین ہے کہ مصنف اوراس کی آل قیامت تک یہ نہیں دکھا سکتے محترم قارئین قرآن یہ کہتا ہے کہ انسان اور جن مردے کو نہیں سنا سکتے لیکن اللہ سنوا سکتا ہے۔

اب ہم امام بخاری رحمہ اللہ کی اس حدیث مبارکہ پر تبصرہ کرتے ہیں جس کو مصنف نے قرآن کے خلاف سمجھ کر تنقید کا نشانہ بنایا۔

"ان رسول الله ﷺ قال: ان العبد اذا وضع فی قبره وتولی عنه اصحابه وانه ليسمع قرع نعالهم ..." (بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر 1374)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص مرتا ہے اور اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے...."

دوسری حدیث...

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اطلع النبی ﷺ علی أهل القليب فقال وجدتم ..."

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر رقم الحدیث 1370)

"جو کافر بدر کے دن اندھے کنویں میں ڈال دیئے گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان پر جھانکا اور فرمایا تمہارے رب نے جو سچا وعدہ تم سے کیا تھا وہ تم نے پالیا لوگوں نے عرض کیا" آپ ﷺ مردوں کو پکارتے ہیں"

فرمایا تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے وہ جواب نہیں دے سکتے۔

ان دونوں صحیح احادیث کو مصنف نے بغیر تحقیق کے قرآن کے خلاف باور کرایا اور قرآن کم فہمی کی تہمت امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ پر لگائی جو کہ مصنف کی جہالت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ قارئین کرام مصنف نے امام بخاری رحمہ اللہ پر تو الزام گھڑ دیا کہ "امام بخاری کاش کہ روایت سے پہلے کلام اللہ القرآن کا

مفہوم معلوم کر لیتے ....عرض کرتا چلوں الحمد للہ امام بخاری رحمہ اللہ کی مکمل نظر قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ پر تھی لیکن مصنف کی مثال ایسی ہے۔"صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ" (البقرة 18/2)

مندرجہ بالا دونوں احادیث مبارکہ نبی کریم ﷺ کے معجزے پر دلالت کرتی ہے اور معجزہ کہتے ہی اس چیز کو جو عمومی حالات سے ہٹ کر ہو۔ معجزہ کا انکار کرنا یہ تو کفر ہے اور ضلالت کی واضح دلیل ہے قرآن پاک ایک قاعدہ ذکر کرتا ہے۔ جسکو مصنف اپنے غبی پن اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے سمجھنے سے قاصر رہا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

" إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ "(الفاطر 22/35)

"اللہ تو جسے چاہے سنا سکتا ہے لیکن آپ ﷺ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں"۔

آیت مبارکہ میں لفظ استعمال ہوا ہے "**یسمع**" یہ مضارع کا صیغہ ہے عربی میں مضارع دو زمانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حال اور مستقبل۔ یعنی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے سنوادے یعنی سنوا بھی رہا ہے اور مستقبل میں بھی سنوا سکتا ہے۔ مردوں کو سنانا یہ اللہ کی قدرت ہے لیکن نبی ﷺ نہیں سنا سکتے ہاں اگر اللہ سنوانا چاہے تو وہ سنوا سکتا ہے۔

اب ان دونوں صحیح احادیث پر غور فرمائیں ایک میں ذکر ہے کہ مردے قدموں کی آہٹ سنتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ قلیب بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے کفار کو سنایا۔ ان دونوں احادیث کا مطلب ہے کہ دونوں جگہوں پر اللہ نے سنوایا نہ کہ نبی کریم ﷺ نے کیونکہ قرآن یہ واضح اشارہ دیتا ہے کہ اللہ جسے چاہے سنوادے تو یہاں بھی اللہ ہی نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے سنوایا تو بتائیے یہ ایسی کونسی بات ہے کہ جو سمجھ میں نہیں آنے والی ہو؟

زیر بحث حدیث خاص موقع کے لئے ہی دلالت کرتی ہیں اسی لئے صحابی نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ کیا مردے سنتے ہیں؟ نبی ﷺ نے جواب دیا ہاں یہ اس وقت تم سے زیادہ سن رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا "اس وقت" اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ معجزہ تھا اور معجزہ ہوتا ہی ہے عمومی حالات سے ہٹ کر۔

معجزہ کا انکار انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اور معجزہ کا ذکر تو قرآن کریم بھی کرتا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا

مردوں کا زندہ کرنا وغیرہ۔

تو کیا مصنف اس کو بھی افسانہ کہے گا۔

اعتراض نمبر 17:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 51 پر صحیح بخاری سے ایک حدیث نقل کرتا ہے کہ:

صحابی رسول ﷺ کو کہا گیا کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپکو صحبت نبوی نصیب ہوئی اور بیعت رضوان بھی نصیب ہوئی تو براء بن عازب رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ بھتیجے تجھ کو کیا خبر کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کیا کیا بدعتیں جاری کی ہیں... (بخاری 599/2)

''اور ادھر آپ ﷺ نے فرمایا تھا ''من احدث حدثا او اوی محدثا فعلیه لعنت الله ''تو کیا صحابی یہ لعنت اپنے او پر فٹ کر رہا تھا.....''

جواب:۔

قارئین کرام اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ مصنف کا یہ انداز تحریر حدیث دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے وگرنہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کسی اور بات پر دلالت کرتی ہے اور صحابی کا قول کسی اور معنی پر دلالت کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث جس امر پر دلالت کرتی ہے وہ ہے بدعت شرعی اصطلاح میں دین میں نئے کام کو ثواب کی نیت سے جاری کرنا، اسے شرعی اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں۔ رہا مسئلہ صحابی کے قول کا جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے کہ:

''لقیت البراء بن عازب رضی الله عنه فقلت :طوبی لک ...''

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیه رقم الحدیث 4170)

''علاء بن مسیّب اپنے والد سے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے کہا کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کو نبی ﷺ کی صحبت بھی ملی اور بیعت رضوان میں بھی شریک ہوئے تو براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھتیجے تجھ کو کیا خبر کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ہم نے کیا کیا نئے معاملات کیئے''۔

آخری لفظ ''احدثنا'' سے مصنف نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بدعتی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یہ مصنف کی تنگ نظری ہے جسے وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے کھاتے میں ڈال رہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی ''احدثنا'' سے یہاں مراد نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد کی جنگیں (جو غلط فہمی کی بناء پر ہوئیں) مثلاً جمل اور صفین وغیرہ نہ کہ بدعت، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ:

''یشیر الی ما وقع لهم من الحروب وغیرها....'' (فتح الباری جلد7 ص572)

'یعنی صحابی رسول کا ''احدثنا'' کہنا اشارہ ہے ان لڑائیوں کی طرف (جمل صفین وغیرہ)'

لہٰذا مصنف کی علمی خیانت بھی آپ پر عیاں ہے کہ انہوں نے نہ قرآن کو چھوڑا نہ ہی نبی کریم ﷺ کو اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو مصنف کا یہ الزام حدیث دشمنی کی کھلی دلیل ہے جو قابل مذمت ہے۔

اعتراض نمبر 18:۔

مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ 53-52 میں صحیح بخاری سے ایک روایت نقل کی اور لکھتا ہے کہ:..... نساؤکم حرث لکم '' کی تفسیر عبداللہ بن عمرؓ نے یہ فرمائی ہے کہ دبر زنی کرنی چاہیے اور یہ معنی ہیں'' انی شئتم'' کا ...... (بخاری کتاب التفسیر)

جواب:۔

گمراہ فرقوں کی یہ پہچان ہے کہ وہ آدھی بات نقل کرتے ہیں اور آدھی بات کو چھوڑ دیتے ہیں تا کہ بات اصل معنی اور مطلب سے ہٹ جائے مصنف نے بھی یہی حرکت کی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول اور آیت سے استدلال کچھ اور تھا لیکن مصنف نے اپنی ذہنی خباثت کو محدثین وصحابہ کرام پر فٹ کرنے کی کوشش میں کچھ سے کچھ بنادیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث کتاب التفسیر میں اس طرح ذکر کی ہے نزلت فی کذا و کذا: اس بارے میں نازل ہوئی (مصنف نے مکمل حدیث ذکر نہ کی) جس کی وضاحت اسی باب میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہو رہی ہے۔

قارئین کرام اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ دبر زنی کرنے کا موقف منحرف مصنف کا ہوسکتا ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسی پاکیزہ شخصیت کا نہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب بات صحیح بخاری میں کہیں نہیں ہے یہ صرف اور صرف بہتان ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف درج ذیل حدیث سے واضح ہو رہا ہے:

نافع مولی ابن عمر سے کہا گیا کہ آپ کے بارے میں بہت کہا گیا ہے کہ آپ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عورتوں سے دبر زنی کا فتوی دیا۔ نافع نے کہا یہ لوگ میرے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ حقیقت کیا ہے ایک دفعہ ابن عمر مصحف سے تلاوت کر رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے (نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ) فرمایا: اے نافع جانتے ہو اس آیت کا کیا معاملہ ہے؟ ہم اہل قریش اپنی عورتوں کے پیچھے سے آتے تھے (یعنی پیچھے سے لیکن بچہ پیدا کرنے کے مقام) جب ہم مدینہ آئے اور انصاری عورتوں سے نکاح کیا اور ان سے ایسا چاہا تو انہیں ناگوار گزرا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ.

(السنن الکبری للنسائی باب عشرۃ النساء رقم الحدیث 8978)

اگر مصنف امام بخاری رحمہ اللہ کی نقل کردہ حدیث جابرؓ پر غور کر لیتا جس میں وہ فرماتے ہیں کہ 'یہود کہا کرتے تھے کہ اگر عورت کے پیچھے سے جماع کریں تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے'۔ تو کبھی بھی اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

غور فرمائیے کہ بچہ کس عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے یا پھر مصنف نے کوئی نیا انکشاف کیا ہے! لہٰذا بخاری کی روایت پر اعتراض فضول ہے۔ یہ بدنیت مصنف کی محض بے لگام اتہام ہے۔

اعتراض نمبر 19:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحات 55، 56 اور 57 پر لکھتا ہے کہ:

قرآن مقدس میں لہو ولعب منافقوں، یہودیوں، نصرانیوں اور کافروں کا پیشہ مذکور ہوا ہے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ومن الناس من یشتری لھوالحدیث لیضل عن سبیل اللہ'' اللہ کے راستے دین سے روک رکھنے کا اصل مقصد یہی لہو ولعب گانے بجانا اور شیطانی بانسری کی چیزیں ہیں جن سے انسان

دائرہ انسانیت میں بھی رہنے کے قابل نہیں ہوتا.... لیکن بخاری صاحب.... بے لگان اتہام نبی ﷺ پر لگاتے ہیں کہ ''زفت امرأۃ الی رجل من الانصار...'' ''پہنچائی گئی ایک عورت بذریعہ شادی ایک انصاری مرد کیطرف تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اے عائشہ کیا کچھ ہے تمہارے پاس لہو یعنی گانے بجانے خوش گپیاں عیش ونشاط کی چیزوں سے...'' (بخاری 775/2)

گانے بجانے کی توتیاں ربانے طبلے اللہ کے راستے سے روکنے کا سبب بنتے ہیں تو پھر کیا آپ ﷺ انصاریوں کو قرآن کے خلاف تربیت دیتے رہے تھے؟ اور کیا اپنے گھر بھی ایسی فحش چیزیں اور لہویات رکھا کرتے تھے؟...

جواب:۔

مصنف نے جس دیدہ دلیری سے حدیث کے متن میں تحریف کی ہے تاریخ میں ایسے تحریف کرنے والا شاید ہی کوئی ہو قرآن کریم کی آڑ میں مصنف نے احادیث کے انکار کا جو طرز اختیار کیا ہے وہ ناقابل معافی جرم ہے۔ مصنف نے صحیح حدیث کے متن میں تحریف کر کے اسے قرآن کے خلاف ٹھہرایا ہے یہی طریقہ مستشرقین کا رہا ہے یعنی مصنف مستشرقین کا ایجنٹ معلوم ہوتا ہے گویا یہ یہود اور نصاری کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔ قرآن کریم کی جو آیت مصنف نے پیش کی ہے کہ:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ''

(سورہ لقمان 6/31)

''لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو اس لئے بے ہودگی خریدتا ہے کہ بغیر علم کے اللہ کی راہ سے بہکا دے''۔

اس آیت کے پیش کرنے کے بعد مصنف لہو ولعب گانا بجانا بانسری وغیرہ کو حرام قرار دے رہا ہے۔ لیکن کوئی مصنف سے یہ تو پوچھے کہ ''لَھْوَ الْحَدِیْثِ'' ''بے ہودگی'' سے مراد کیا گانا بجانے ہے یعنی اس آیت میں تو صرف بے ہودگی کا ذکر ہے بانسری کا ذکر تو ہے ہی نہیں آخر مصنف نے یہ سارے نتیجے کہاں سے اخذ کئے؟ شاید ابلیس نے اس کے کان میں یہ مطلب پھونک دیا۔ قارئین اندازہ فرمائیں ایک جگہ تو مصنف

کتب احادیث خصوصاً صحیح بخاری کو افسانہ گردانتا ہے اور دوسری طرف انہی کتب احادیث سے اپنے مطلب کی باتوں کو بڑے پرجحت انداز میں اخذ کرتا ہے ایسے دوغلے پن پر اسلام منافقت کی مہر لگاتا ہے۔ اب آپ کے سامنے میں صحیح بخاری کی وہ حدیث نقل کرتا ہوں جس کو مصنف نے قرآن کے خلاف ٹھہرا کر بڑی ہوشیاری سے انکار کے چوردروازے کھولنے کی کوشش کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم فرماتے ہیں:

''النسوة اللا تی یهدین المرأة الی زوجها ''

''جوعورتیں دلہن کو (دولہا کے پاس) لے جائیں وہ گاتی بجاتی جاسکتی ہیں۔

پھر اس کے ذیل میں حدیث پیش کرتے ہیں:

''عن عائشة رضی الله عنها أنها زفت امرأة الی رجل من الانصار فقال ....''

(صحیح بخاری کتاب النکاح رقم الحدیث 5162)

''عائشہ رضی اللہ عنھا بیان فرماتی ہیں کہ وہ ایک دلہن کو ایک انصاری مرد (دلہے) کے پاس لے گئیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد مبارک فرمایا عائشہ تمہارے ساتھ کچھ گانا بجانا تو تھا ہی نہیں (چپ چاپ دلہن کو لے گئیں) دیکھو انصار لوگ گانا بجانے سے خوش ہوتے ہیں''۔

اس حدیث میں گانا بجانے کے الفاظ موجود ہیں لیکن دوسری حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ وہ گانا بجانے والیاں جس سے بجارہی تھیں وہ دف تھا اور گانا بجانے والیاں کوئی پیشہ ور نہ تھیں مصنف نے جو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے وہ ان گانوں کو جدید موسیقی کے آلات پر استدلال کر کے کچھ اور ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے جو کہ ناکام کوشش ہے۔

نبی کریم ﷺ کے وقت میں جس چیز سے موسیقی کا استدلال لیا جاتا تھا وہ صرف دف تھا جیسا کہ صحیح بخاری کتاب العیدین میں حدیث مذکور ہے اور وہ بھی خوشی کے اظہار کے لئے تاکہ نکاح کا اعلان ہوجائے کیونکہ غیر اعلانیہ نکاح سے اسلام روکتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**اعلنوا للنکاح** ''کہ نکاح کا اعلان کرو، اور دف بجانا بھی اس خوشی کے زمرے میں آتا ہے۔ رہی بات گانے کے کیا الفاظ ہوتے ہیں وہ بھی الفاظ کتب احادیث میں درج ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر فرمایا ہے کہ:

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: انصار کی ایک یتیم لڑکی کی شادی میں میں دلہن کے ساتھ گئی جب لوٹ کر آئی تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے دولہا والوں کے پاس جا کر کیا کیا ہم نے کہا سلام کیا اور مبارک بادی آپ ﷺ نے فرمایا ایک گانا بجانے والی لونڈی کو کیوں ساتھ نہ لے گئی جو دف بجاتی گاتی جاتی ہے میں نے عرض کیا کہ وہ کیا گاتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یوں گاتی ''ہم آئے تمہارے گھر میں ہم آئے تمہارے گھر میں مبارک ہو ہم کو مبارک ہو تم کو بہت برکت ہووے...''

اندازہ کیجئے جس گانے کو مصنف بے حیائی کی باتیں کہتا ہے یہی وہ الفاظ ہیں جو کہ اچھے اشعار کی صورت میں پڑھے گئے۔ یہ کسی بھی طرح سے قرآن کے خلاف نہیں ہے یعنی وہ بجانے والیاں محض دف ہی بجائیں اور بجانے والیاں بھی پیشہ ور نہ ہوں اور وہ اشعار بھی اس طرح کے تھے جو کہ حقیقت پر مبنی تھے جس میں جھوٹ کی ذرہ برابر بھی آمزش نہ تھی، ان اشعار کو آج کے بے ہودہ شرکیہ و کفریہ گانوں پر استدلال کرنا سراسر ظلم ہے جو کہ حدیث دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر ہم احادیث کا مطالعہ کریں تو نبی کریم ﷺ نے سختی سے موسیقی کو حرام قرار دیا ہے جس کو خائن مصنف نے نظر انداز کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کے وقت میں اچھے اچھے اشعار پڑھنے والے لوگ موجود تھے لیکن وہ بھی اشعار شریعت کی حد میں رہتے ہوئے بغیر کسی موسیقی کے آلات کے پڑھے جاتے تھے۔ عظیم محدث شیخ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''**تحریم الآلات الطرب** ''صفحہ 126 میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ موسیقی کے بغیر ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اچھے اشعار پڑھا کرتے تھے۔

لہٰذا مصنف کا اعتراض کالعدم ہے اور یہ اعتراض صرف افک پر مبنی ہے جو کہ حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

اعتراض نمبر 20:۔

مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ 57، 58 پر اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے چھ برس کی عمر میں نکاح اور نو برس کی عمر میں رخصتی کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی اور وہ لکھتا ہے:

قرآن کریم میں نکاح (شادی) کے لئے بلوغت کو شرط رکھا گیا ہے ''**حتی اذا بلغوا النکاح**'' کی نص خود اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوئی...لیکن بخاری صاحب اپنی روایت کے ذریعے آپ ﷺ کا

نابالغ لڑکیوں کے ساتھ جنسی کھیل کھیلنا ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:''ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنین وبنٰی بها وهی بنت تسع'' ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیساتھ آپ ﷺ کی شادی ہوئی تو ان کی عمر چھ سال تھی جب بنا فرمایا تو نو سال کی تھی''۔ (771/2)

جواب:۔

مصنف نے پھر وہی لغو اور رنگ آمیز شیطانی ترجمہ کیا ہے آخر نازیبا الفاظ ''جنسی کھیل وغیرہ مصنف اپنی تحریر میں کہاں سے لایا۔سیدھے سادھے ترجمہ کو اتنا رنگ آمیز بنایا کہ بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔مصنف دراصل جس گھٹیا اور بازاری سوچ کا حامل ہے مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کوئی جنسی باوا ہے سیدھی سادھی بات کو زبردستی جنسی جامہ پہنا کر اسے عوام کے سامنے پیش کر کے اسے مسرت ہوتی ہے۔مصنف نے حدیث تو دور کی بات کبھی قرآن بھی آنکھ کھول کر نہیں پڑھا ہوگا اگر پڑھا ہوتا تو اسے یہ آیت ضرور معلوم ہوجاتی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ'' (الطلاق 65/4)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں کچھ شبہ ہو تو انکی عدت تین ماہ ہے اور انکی بھی جنہیں حیض شروع نہ ہوا ہو۔

اس آیت مبارکہ میں ان عورتوں کی عدت جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور وہ عورتیں جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں ہے تین ماہ ہے قابل غور ہے وہ عورتیں جنہیں حیض ابھی شروع ہی نہیں ہوا۔

نکاح۔۔۔۔۔۔۔۔۔

طلاق۔۔۔۔۔۔۔۔

عدت۔۔۔۔۔۔۔۔

عورت کا پہلے نکاح ہوا بعد میں طلاق ہوئی اسکے بعد عدت تین ماہ...اللہ تعالیٰ تو اس عورت کی بھی عدت

کا ذکر فرماتا ہے جو ابھی نابالغہ ہے اب مصنف اس آیت کی کیا تاویل پیش کرے گا؟ دراصل مصنف وہم اور پاگل پن کا شکار ہو گیا ہے مصنف نے بلوغت کی عمر ہی کو نکاح کے لئے شرط ٹھہرایا دراصل نکاح کی کئی وجوہات ہوتی ہیں ایک تو آدمی نکاح کرتا ہے اپنے دامن کو پاک وصاف رکھنے کے لئے دوسرے حصول اولاد کے لئے عرب معاشرے میں لڑکی جلد بالغ ہوجایا کرتی ہے جیسا کہ امام دارقطنیؒ اپنی سنن میں ذکر فرماتے ہیں کہ:

''عباد بن عباد مہلبی کہتے ہیں میں نے اپنی قوم میں ایک عورت کو پایا جو اٹھارہ سال کی عمر میں نانی بن گئی اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا نو سال کی عمر میں اور اس بیٹی نے بھی نو سال کی عمر میں جنم دیا اس طرح وہ اٹھارہ سال کی عمر میں نانی بن گئی''۔ (دارقطنی کتاب النکاح رقم الحدیث 3836)

اس کے علاوہ بھی بے شمار واقعات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت نو سال کی عمر میں بالغ ہوجاتی ہے۔جیسا کہ موجودہ دور میں اس کی مثال ہے روزنامہ (THE DAWN) 29 مارچ 1966 میں خبر شائع ہوئی کہ افریقہ میں ایک 8 سالہ بچی حاملہ ہوئی اور نو سال کی عمر میں اس نے بچہ جنم دیا۔

ایسے بے شمار شواہد موجود ہیں جو واقعتاً بھی اس بات کی دلیل ہیں (مزید تفصیل کے لئے میری کتاب اسلام کے مجرم کون؟ کا مطالعہ مفید رہے گا) رہا معاملہ حدیث کا تو وہاں ذکر کچھ اور ہے۔امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میرا نکاح نبی ﷺ سے چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔

''وبنٰی بی وأنا بنت تسع سنین''

لفظ بنا کا ترجمہ رخصتی ہوتا ہے مصنف نے اس لفظ کا شیطانی ترجمہ کیا ہے کہ 'جنسی کھیل تماشہ' جو کہ سراسر غلط ہے''حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

''میرا نکاح نبی ﷺ سے چھ برس کی عمر میں ہوا اور نو برس کی عمر میں رخصتی''۔دراصل مختلف ممالک میں بلوغت کی عمر مختلف ہوتی ہے بلکہ ایک ہی ملک میں بلوغت کی عمر میں تفاوت پایا جاتا ہے لہٰذا مصنف کا یہ ثابت کرنا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نابالغ تھیں تو یہ سراسر بدنیتی اور خیانت ہے۔

اور مصنف کا یہ کہنا کہ سورۃ القمر نبوت کے پانچویں سال نازل ہوئی......پھر مکہ میں آپ ﷺ پندرہ

سال رہے۔ بالکل بے بنیاد اور بلا دلیل ہے۔

مصنف یہ بتائے کہ یہ کہاں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی بچی ہی تھیں کہ سورۃ القمر کی آیات یاد ہوگئیں تھیں؟

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ محمد ﷺ پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور میں بچی تھی کھیلتی کودتی تھی "**بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وأمر** "(صحيح بخاری كتاب التفسير سورة القمر 4876)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول اور غزوہ بدر کے درمیان سات سال کا عرصہ تھا۔ (الجامع لأ حكام القرآن)

اور تاریخ کی روایات اس بات پر شاھد ہیں کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تیرہ سال رہے نہ کہ پندرہ سال جیسا مصنف کا کہنا ہے۔ (البدايه والنهايه)

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سنہ 1 ھ میں ہوئی جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے۔ اس اعتبار سے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی عمر تین سال تھی۔ اور اس وقت کی خبر دینا کوئی عجیب بات نہیں۔

مندرجہ بالا سطور سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا سورۃ القمر کی آیات یاد کرنے کا ذکر مصنف کا جھوٹ ہے۔

2) نبی کریم ﷺ کی مکہ میں اقامت بعد از بعثت کا عرصہ تیرہ سال ہے۔

3) آیت کے نزول اور غزوہ بدر میں سات سال کا عرصہ ہے اور غزوہ بدر سنہ 2 ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

4) عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سنہ 1 ھ میں 9 سال کی عمر میں ہوئی۔

اعتراض نمبر 21:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 59 پر لکھتا ہے کہ:

قرآن پاک میں اہل بیت نبوی کی فضیلت میں کئی آیات اور سورتیں نازل ہوئی ہیں اور خاص کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کو یہ شرف حاصل ہے کہ نزول قرآن ان کے بستر راحت پر ہوا۔ اور "**ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا** " کا مژدہ انکو سنا کر مطمئن کر دیا گیا.... کسی شرارتی راوی کی روایت کے پیش نظر امام بخاری باب باندھتے ہیں "**باب ماجاء فی بيوت ازواج النبی ﷺ وما نسب من البيوت اليهن** " (بخاری 438/1) تحت الباب کہتے ہیں:

"**قال النبی ﷺ خطيبا فاشار نحو مسكن عائشة ؓ فقال هاهنا الفتنة ثلاث من حيث يطلع قرن الشيطان** ".

" آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہیں سے فتنہ اٹھے گا تین مرتبہ فرمایا.... ام المؤمنین کو فتنہ باز ثابت کرنے کیلئے "نحو مسکن عائشہ رضی اللہ عنہ کا جملہ خلط کر دیا...."

جواب:۔

غیر اخلاقی ترجمہ اور بات کو اس کے پس منظر سے ہٹانا کہا کی دیانت داری ہے کاش کہ مصنف اس اعتراض سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ لیتا کہ:

"اے ایمان والو گمان سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔" (الحجرات 12/49)

قارئین کرام مصنف بدگمان اور وہمی ہے اس چیز نے مصنف کو اندھا کر دیا حتی کہ مصنف ہر صحیح بات کو بھی غلط سمجھتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث مبارکہ کو کئی مقامات پر درج فرمایا ہے۔ مثلاً۔

------ كتاب بدء الخلق باب صفة ابليس وجنوده رقم الحديث 3279،

------ كتاب المناقب باب 5 رقم الحديث 3511 ،

------ كتاب الطلاق باب الاشارة فی الطلاق والامور رقم الحديث 5296 ،

----- كتاب الفتن باب قول النبی ﷺ الفتنة من قبل المشرق رقم الحديث 7092،

ان ابواب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کہیں مفصل اور کہیں اختصار سے ذکر فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قام النبی ﷺ خطیبا فأشار نحو مسکن عائشة ؓ فقال ھاھنا الفتنة ثلاثا .من حیث یطلع قرن الشیطان .

(صحیح البخاری کتاب فرض الخمس باب ماجاء فی بیوت أزواج النبی ﷺ وما نسب من البیوت الیھن رقم الحدیث 3104)

نبی ﷺ نے کھڑے کھڑے خطبہ کی حالت میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (یعنی پورب کی طرف) تین بار ارشاد فرمایا ادھر ہی سے فتنے نکلیں گے یہیں سے شیطان کا سر نمودار ہوگا۔

دوسری حدیث صحیح بخاری میں کچھ اس طرح سے ہے:

"عن ابن عمر رضی الله عنه انه سمع رسول الله ﷺ وھو مستقبل المشرق یقول: الا ان الفتنة ھاھنا من حیث یطلع قرن الشیطان".

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ الفتنة من قبل المشرق رقم الحدیث 7093)

"ابن عمر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ پورب (مشرق) کی طرف منہ کئے ہوئے تھے فتنہ ادھر سے نمودار ہوگا جہاں سے شیطان کی چوٹی نکلتی ہے۔"

ایک اور حدیث جو کچھ اس طرح سے ہے:

"عن ابن عمر رضی الله عنه قال ذکر النبی ﷺ اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنافی یمننا ...."

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ الفتنة من قبل المشرق رقم الحدیث 7094)

"رسول اللہ ﷺ نے یوں دعا فرمائی یا اللہ ہمارے ملک شام میں برکت دے یا اللہ ہمارے یمن کے ملک میں برکت دے صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کیا کہ یہ بھی فرمایئے ہمارے نجد کے ملک میں آپ نے پھر یہی دعا کی یا اللہ ہمارے ملک شام میں برکت دے یا اللہ ہمارے یمن کے ملک میں برکت دے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا یہ بھی فرمایئے ہمارے نجد کے ملک میں میں سمجھتا ہوں تیسری بار جب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا (کہ نجد کے لئے بھی دعا فرمایئے) تو آپ ﷺ نے فرمایا وہیں تو زلزلے آئیں گے فتنے پیدا ہونگے وہیں سے شیطان کی چوٹی نمودار ہوگی۔"

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے اس فتنہ کی طرف اشارہ فرمایا جو زلزلے اور دوسری شکلوں میں نمودار ہوئے پہلی حدیث میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہاں سے فتنے نمودار ہونگے حدیث کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جس جگہ نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے بالکل اسی کے پورب کی طرف عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا یعنی کہ سمت کی طرف اشارہ فرمایا نہ کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف کہ فتنے یہاں سے نمودار ہونگے۔

میں کراچی میں حدیث کانفرنس میں تھا میرے درس کے بعد سوال وجواب کا سیشن شروع ہوا ایک صاحب نے اسی حدیث کے بارے میں اعتراض کیا اور انہوں نے کہا کہ صحیح بخاری میں ایک حدیث کے مطابق فتنے کی جگہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہے اسی لئے تو نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا **(نعوذبالله من ذٰلک)** میں نے ان کو جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف اشارہ فرمانا سمت کو ظاہر کرنا تھا جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی واضح صراحت منقول ہے کہ آپ نے نام لے کر فرمایا جیسا کہ طبرانی کی حدیث میں نجد کی جگہ کو فتنہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے تو نبی کریم ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف اشارہ دراصل پورب (مشرق) کی طرف اشارہ مقصود تھا میں نے ایک مثال کے ذریعے ان صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی میں نے ان سے کہا (وہ میرے داہنی طرف کھڑے تھے) کہ میرے داہنے طرف شیطان ہے اور یہ بات کہتے ہوئے میں نے ان کی طرف اشارہ کیا تو وہ برا مان گئے اور مجھ سے کہا کہ آپ نے میری طرف اشارہ کرکے مجھے شیطان بنادیا؟ میں نے کہا بھائی قرآن کریم کہتا ہے کہ:

"ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ"

(الاعراف 17/7)

"پھر میں ان (انسانوں) کے آگے سے پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے گھیر لوں گا"۔

یعنی آیت کی رو سے داہنے طرف سے بھی شیطان آئے گا اور انسان کو بہکائے گا۔لہٰذا میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے داہنے طرف کھڑے ہیں میں صرف سمت کے لئے آپ کی طرف اشارہ کررہا ہوں نہ کہ

آپ کو شیطان کہہ رہا ہوں۔اس مزاح کے بعد لوگوں نے خوب سمجھ لیا کہ نبی کریم ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد صرف سمت کی رہنمائی تھی دوسری حدیث میں خصوصاً ذکر موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پورب یعنی مشرق کی طرف دعا نہ کی کیونکہ وہاں سے فتنے نمودار ہونگے۔لہٰذا حدیث پر اعتراض لاعلمی اور تعصب کی وجہ سے ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی الله عنه سے مروی ہے:

''اللہ کے رسول ﷺ نے دعا مانگی یا اللہ ہمارے صاع اور مد میں برکت عطا فرما الٰہی ہمارے یمن اور شام میں برکت عطا فرما لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا! اے اللہ کے نبی ﷺ ہمارے عراق کے لئے بھی (دعا کریں) آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوگا اور فتنے ابلیس کے۔بلاشبہ جور و جفا مشرق ہے'' (المعجم الکبیر (13422)مجمع الزوائد (3/305)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دیکھا اللہ کے رسول ﷺ عراق کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں: خبردار! بے شک فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا خبردار بلاشبہ فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا۔آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی۔یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ (احمد 143/2/ابن ابی شیبہ 185/12)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کفر کا سرچشمہ مشرق ہے۔

(بخاری کتاب بدء الخلق باب خیر مال المسلم غنم .....3301صحیح مسلم کتاب الایمان باب تفاضل اهل الایمان فیه..... رقم الحدیث 52)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا اشارہ مشرق کی طرف تھا۔لہٰذا حدیث پر اعتراض فضول ہے۔

اعتراض نمبر 22:۔

مصنف صفحات 60اور 61 میں لکھتا ہے کہ:

بخاری کی ایک اور جھوٹی روایت جس میں راویان حدیث کی کئی تخریب کاریاں ہیں.......کہ دو مرتبہ تو

مجھے خواب میں دکھائی گئی کوئی ایک مرد ہے جو تجھے ریشمی ٹکڑے میں اٹھالایا.......اب اس بات کو بھی رہنے ہی دیجئے کہ کوئی مرد غیر محرم صدیقہ کی تصویر کو کس طرح اٹھالایا؟ اگر فرشتہ ہوتا تو آپ ﷺ ضرور فرماتے کہ وہ مرد جبریل تھا؟ اور اس کو بھی رہنے دیجئے کہ تصویر کشی کرنے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت کیوں فرمائی ....نبی کریم ﷺ کا خواب تو یقیناً وحی ہوتا تھا پھر آپ ﷺ نے وحی کے اندر اگر کی قید کیوں لگائی۔

جواب:۔

قارئین کرام نبی کریم ﷺ کی احادیث کا استہزا کرنا اور احادیث کے معانی میں خیانت کرنا مصنف کا شیوہ ہے یہاں بھی اس نے من پسند استنباطات کر کے حدیث کو قابل اعتراض ٹھہرانے کی کوشش کی ہے۔نہ معلوم کہ بوقت اعتراض مصنف باؤلے کتے کے کاٹنے سے باؤلا ہو چکا تھا(ناراض نہ ہوں یہ الفاظ مصنف نے صفحہ 59 پر محدثین کے حق میں استعمال کیئے ہیں) یا پھر حدیث دشمنی نے اسے باؤلا کر دیا۔

مصنف کا اعتراض کہ کوئی مرد غیر محرم صدیقہ کی تصویر کو کس طرح اٹھالایا۔آپ ﷺ نے تصویر کشی کرنے والوں پر لعنت کیوں فرمائی اگر اللہ کی طرف سے تھی تو تصویر کشی جائز ہوتی؟ ان تمام باتوں کا اتنا جواب کافی ہے کہ یہ نبی ﷺ کا خواب تھا لیکن بددیانت باؤلا مصنف کی تشفی کے لئے مزید تحریر کئے دیتے ہیں۔

کوئی مرد غیر محرم صدیقہ کی تصویر......اگر فرشتہ ہوتا تو آپ ﷺ ضرور فرماتے.....الخ

قارئین کرام احادیث ایک دوسرے کی شرح کرتی ہیں اور اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں پانچ مقامات پر ذکر کیا ہے لیکن خائن مصنف نے ایک جگہ سے ٹکڑا نقل کر کے حدیث میں شک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر اٹھالانے والا یقیناً فرشتہ ہی تھا۔ملاحظہ کیجئے: صحیح بخاری کتاب النکاح باب النظر الی المرأة قبل التزویج رقم الحدیث 5125:۔

''عن عائشه رضی الله عنها قالت: قال لی رسول الله ﷺ . أریتک فی المنام یجیء بک الملک فی سرقة من حریر، فقال لی: هذه امرأتک فکشفت عن وجهک الثوب فاذا أنت فقلت ان یک هذا من عندالله یمضه''.

''عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مجھے خواب میں دکھلائی گئی تمہیں فرشتہ ریشمی ٹکڑے میں لایا تو اس نے مجھ سے کہا یہ تمہاری بیوی ہے پس میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو تم ہی تھیں تو میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ اسے کر دے گا''۔

تو اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ لانے والا فرشتہ ہی تھا لیکن شاید ہٹ دھرم مصنف کو اطمینان نہ ہوا اور وہ یہ کہے کہ دوسری روایت میں آدمی (رجل) کا لفظ کیوں آیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتہ کبھی کبھی بشر کی صورت میں بھی آیا کرتا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا'' (سورہ مریم 17/19)

''پھر ہم نے اس کے پاس (مریم علیہ السلام) اپنی روح (جبریل علیہ السلام) کو بھیجا پس وہ پورا آدمی بن کر آیا''

مزید دیکھئے صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان الایمان والاسلام والاحسان.... الخ

فرشتے نے تصویر کشی نہیں کی تھی بلکہ وہ نبی کریم ﷺ کا خواب تھا اگر مان لیا جائے کہ اس سے مراد تصویر کشی ہے تو کیا خواب میں نظر آنے والی تصویریں بیدار ہونے کے بعد بھی برقرار رہتی ہیں۔ ہرگز نہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے نہ اس میں نبی ﷺ کو کوئی شک تھا نہ امام بخاری رحمہ اللہ کو اس میں کوئی شک تھا۔ (لیکن خبیث مصنف کو نبی کریم ﷺ کی احادیث کے وحی ہونے میں شک ہے) نبی ﷺ کو خواب کے وحی ہونے میں کوئی شک نہیں تھا۔ اگر کی قید اس لئے لگائی کہ تردد اس بات میں تھا کہ یہ وحی والا خواب اسی طرح سو فیصد واقع ہوگا جس طرح دیکھا ہے یا اس کی کوئی تعبیر ہے؟ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور ان خوابوں کی دو قسمیں ہیں:

1-جس طرح خواب دیکھا ہے ہو بہو اسی طرح واقع ہو جائے۔

2-یا ان خوابوں کی تعبیر ہے۔

(فتح الباری مذکورہ حدیث کی شرح کے باب میں)

اور انبیاء کے خواب کی تعبیر کی کئی مثالیں ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اور اس کی تعبیر طویل عرصہ بعد اس صورت میں سامنے آئی کہ

ان کے والدین اور بھائی جب یوسف علیہ السلام کے دربار میں آئے تو سجدے میں گر پڑے۔
(دیکھئے سورہ یوسف آیات 4-99-100) اور اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے خواب میں دودھ کی تعبیر علم سے کیا۔ (دیکھئے صحیح البخاری کتاب التعبیر باب اللبن رقم الحدیث 7006)

الحمدللہ حدیث اعتراض سے پاک ہے۔

اعتراض نمبر 23:۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 62 پر لکھتا ہے:

لیکن بخاری صاحب خلیل اللہ علیہ السلام کو جھوٹ بولنے والا نبی روایت کر رہا ہے۔ ''**لم یکذب ابراھیم الاثلث کذبات**'' (**بخاری 761/2**) اور اس صحیح حدیث کو راویوں کا جھوٹ گردانا ہے اور قرآن کے خلاف ظاہر کر کے اسے رد کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔

جواب:۔

حدیث کے الفاظ تو مصنف کو جھوٹ معلوم ہوئے اور اس حدیث پر پرزور رد کی کوشش کی ہے جو کہ محل نظر ہے۔ اگر مصنف قرآن کریم کا مطالعہ کرتا تو وہ بخوبی اس مسئلے کو سمجھ جاتا۔ جس جھوٹ کا ذکر نبی کریم ﷺ کی حدیث میں ہے اس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ o فَجَعَلَهُمْ جُذَاذاً إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ (الانبیاء 58/21-57)

''اور اللہ کی قسم میں ضرور تمہارے بتوں کے ساتھ چال چلوں گا تمہارے پیٹھ پھیر کر چلے جانے کے بعد۔ پس ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ان بتوں کو سوائے بڑے بت کے تاکہ وہ اس کی طرف لوٹیں''۔

پھر جب وہ مشرکین بت خانہ میں آئے تو بہت برہم ہوئے اور پوچھا:

'قَالُوا أَأَنتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ o قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ (الانبیاء 63/21-62)

"اے ابراہیم کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت تم نے کی ہے؟ ابراہیم نے جواب دیا نہیں بلکہ یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے ان بتوں ہی سے پوچھو اگر یہ بولتے ہیں"۔

قارئین کرام یہ قرآن مجید کی آیت آپ کے سامنے ہیں اب آپ بتائیں بت توڑے ابراہیم علیہ السلام نے اور الزام ٹھہرایا بڑے بت پر کیا یہ جھوٹ نہیں؟ اگر نہیں تو پھر جھوٹ کیا ہے؟ اور جھوٹ کس چیز کا نام ہے؟ لہٰذا مصنف قرآن کریم کی آیت کا جواب دے وگرنہ حدیث کو قبول کرے۔ (مفصل جواب کے لئے میری آڈیو سی ڈی منکرین حدیث کے 102 سوالات کے جوابات ملاحظہ کیجئے)

اعتراض نمبر 24:۔

مصنف اپنی کتاب صفحہ 64 پر لکھتا ہے "قرآن پاک میں مسلمانوں کے لئے حرام اور پلید چیزوں کے استعمال سے دور رہنے کا حکم ہے اور حلال طیب استعمال کرنے کا حکم ہے...اور نبی کریم ﷺ نے حرام اشیاء سے دور رہنے کا حکم دیا ہے......نجس اور پلید اشیاء کو ان پر حرام الاستعمال کہا لیکن بخاری میں ایک اور جھوٹی روایت ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹوں کے پیشاب پینے کا حکم دیا.... (بخاری 1005/2)

جواب:۔

الحمدللہ قارئین کرام یہ بات میں نے ثابت کی ہے کہ مصنف علوم القرآن اور علوم الحدیث سے تو ناواقف ہے ہی بلکہ وہ عصری علوم سے بھی ناواقف ہے اس حدیث مبارکہ کا تعلق (میڈیکل) سے ہے اسے حدیث کی حکمت کیسے معلوم ہوگی اس نے تو صرف اور صرف ظاہری چیز کو دیکھتے ہوئے اعتراض کرنا سیکھا ہے۔ حکمت تو اسے ملے گی جو قرآن وحدیث کو من وعن تسلیم کرے گا ان شاء اللہ۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب صحیح بخاری کتاب الطب باب الدواء بالبان الابل رقم الحدیث 5685 پر ذکر فرمایا ہے:

"عن انس رضی اللہ عنہ أن ناسا کان بھم سقم قالوا : یا رسول اللہ ﷺ آونا وأطعمنا ..."

"انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا مدینے میں کچھ لوگوں کو (پیٹ کی) بیماری ہوگئی انہوں نے

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کو رہنے کا ٹھکانہ بتلائیں اور ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کر دیجئے جب وہ صحت یاب ہوگئے تو کہنے لگے مدینے کی آب وہوا غلیظ ہے آپ نے ان کو حرہ میں اتارا (ایک جگہ کا نام ہے) وہاں صدقے کے اونٹ رہا کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا دودھ پیا کرو"۔

(دوسری حدیث میں ہے کہ اونٹنی کا دودھ اور پیشاب پیا کرو) یہ وہ حدیث ہے جس کو مصنف تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ حدیث ہمارے لئے باعث فخر ہے اگر ہم اس حدیث پر غور کرتے ہیں تو 1400 سال پہلے نبی کریم ﷺ نے جو علاج تجویز کیا آج (Medical Science) اس کو ثابت کرتی ہے الحمدللہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تھے ان کا تعلق قبیلہ "عکل اور عرینہ سے تھا ان کو استسقاء کی بیماری ہوگئی تھی یعنی انکے پیٹ میں یا پھیپڑوں میں پانی بھر گیا تھا جدید طبی اصطلاح میں اس بیماری کو (Ascites) ایسائیٹیز کہا جاتا ہے۔ اور اس بیماری میں اونٹنی کا پیشاب مؤثر ہے ڈاکٹر خالد غزنوی اپنی کتاب "علاج نبوی ﷺ اور جدید سائنس" میں رقمطراز ہیں:

"گوجرانوالہ سے چار سال کا ایک بچہ گردوں اور جگر کی خرابی کی وجہ سے میو ہسپتال لاہور کے بچہ وارڈ میں زیر علاج تھا بچے کے پیٹ میں سے کئی بار پانی نکالا گیا اور کورٹی سون کی گولیوں کے مسلسل استعمال سے اسکی حالت قابل رحم تھی۔ وہ پہلا مریض تھا جس کو ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل میں اونٹنی کا دودھ اور پیشاب پلایا گیا.....(اس بچے کے اونٹنی کے پیشاب اور دودھ پینے کی وجہ سے) ایک ماہ میں پیٹ بالکل صاف ہوگیا۔ دوسرے ماہ کمزوری جاتی رہی اور جلد ہی صحت یاب ہوگیا۔" (جلد 3 ص 305)

غور فرمائیں نبی کریم ﷺ کی حدیث اس بچے کے لئے باعث رحمت ہوئی جس سے وہ بچہ مستفید ہوا اگر ہم اس بچے یا ان کے والدین سے پوچھیں تو یقیناً وہ یہ کہے بغیر نہ رہیں گے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث تو ہمارے لئے معجزہ بن گئی۔ اور واقعتاً ایسا ہی ہے۔

ایک مشہور سیاح ڈاؤٹی اپنی کتاب (1,Arabia Petra 2,Arabia Deserta) میں لکھتا ہے: 1924 میں میں نے پورے عرب کا دورہ کیا اور اس نے یہ دو کتابیں لکھیں اس شخص نے کثرت سے عرب میں سفر کیا یہ اپنی یاد داشت میں لکھتا ہے کہ جزیرہ عرب کے سفر کے دوران ایک موقع پر وہ بیمار پڑ گیا۔

پیٹ پھول گیا رنگ زرد پڑ گیا۔اور اسے زرد بخار کی طرح ایک بیماری ہوگئی جس کا اس نے دنیا میں مختلف ممالک میں علاج کروایا لیکن کچھ افاقہ نہیں ہوا۔آخرکار جرمنی میں کسی بڑے ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ اس علاقے میں جائے جہاں وہ بیمار پڑا تھا ممکن ہے کہ وہاں کوئی مقامی طریقہ علاج ہو یا کوئی عوامی انداز کا دیسی علاج ہو۔ کہتا ہے کہ جب وہ واپس گیا تو جس بدّو کو اس نے خادم کے طور پر رکھا ہوا تھا۔اس نے دیکھا تو پوچھا یہ بیماری آپ کو کب سے ہوئی ہے؟ اس نے بتایا کہ کئی مہینے ہوگئے اور میں بہت پریشان ہوں۔اس نے کہا کہ ابھی میرے ساتھ چلیں۔اسے اپنے ساتھ لے کر گیا اور ایک ریگستان میں اونٹوں کے باڑے میں لے جا کر کہا کہ وہ کچھ دن یہاں رہے اور اونٹ کے دودھ اور پیشاب کے علاوہ کچھ نہ پیئے۔ایک ہفتے بعد علاج کر کے وہ بالکل ٹھیک ہوگیا۔اور اسے بہت حیرت ہوئی۔

یہ واقعہ میں نے تفصیل سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ الحمدللہ حدیث کی صراحت ہر طریقے سے ہوتی ہے اگر مصنف کو معلوم نہ ہوسکا تو اس میں مصنف کی کم علمی کا قصور ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ کا۔ (مزید تفصیل کے لئے میری کتاب حدیث اور جدید سائنس اور اسلام کے مجرم کون؟ کا مطالعہ کریں)

اعتراض نمبر 25:۔

مصنف صفحات 69 تا 72 میں بعض احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے:

لیکن امام بخاری........آپ ﷺ پر یہ الزام آور روایت ذکر کرتے ہیں........آپ ﷺ کا ایک عیاش عورت سے نکاح کرنے کی کوشش کرنا ثابت ہو رہا ہے۔مزید لکھتا ہے:.........یعنی وہ کافرہ اور کافر کی بیٹی تھی........مزید لکھتا ہے: نعوذ باللہ عورت پر اتنا فریفتہ ہوگئے اسکی شہرت حسن سن کر............تو اس نخوت زادی نے کتنی کمینہ واری سے جواب دیا کہ تیرے ایسے بازاری کو میری جیسی ملکہ کس طرح اپنا نفس دے سکتی ہے۔ (قرآن مقدس.......ص 69 تا 72)

جواب:۔

قارئین کرام مصنف بارہا حدیث دشمنی اور توہین رسالت کا مرتکب ہوا ہے۔اور یہاں تو ایک مسلمان عورت پر تہمت کا ارتکاب کیا ہے کہتا ہے: ایک عیاش عورت۔اور مصنف اسے نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''إِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِيْ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ'' (النور 23/24)

''جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے''۔

''وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ'' (النور 4/24)

''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو یہ فاسق لوگ ہیں''۔

رہی بات کہ وہ عورت کون تھی اور نبی کریم ﷺ کا اس سے کیا تعلق تھا؟ تو اس کا جواب طبقات ابن سعد میں ہے کہ نعمان بن ابی الجون الکندی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسلام کی حالت میں کہا یارسول اللہ ﷺ میں عرب کی بہت خوبصورت بیوہ سے آپ کی شادی نہ کردوں جو اپنے چچازاد کی بیوی تھی اور وہ فوت ہوگیا تو وہ آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہے (وہ بیوہ نعمان کی بیٹی تھی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں تو اس نے کہا کہ کسی کو بھیج دیجئے اسے لانے کے لئے۔تو نبی کریم ﷺ نے ابواسید رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا (جو اس حدیث کے راوی ہیں۔) یعنی کہ وہ عورت نبی کریم ﷺ کی بیوی بن چکی تھی اسلئے کہ اس کے باپ نے اسے نبی ﷺ کو اس کی رغبت کی بناء پر پیش کیا اور نبی کریم ﷺ نے قبول کیا۔

رہا اعتراض کہ نبی کریم ﷺ نے یہ کیوں کہا کہ (اپنا نفس مجھے ہبہ کردے) تو یہ صرف تالیف قلبی کے لئے کہا تھا لیکن افسوس ہے بے حیا مصنف کی جسارت پر کہ کہتا ہے اس عورت نے کہا (تیرے ایسے بازاری.......) جبکہ سوقۃ بازاری کو نہیں بلکہ رعایا کے کسی ایک فرد یا کثیر الافراد کو کہتے ہیں۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عورت نے ایسا کیوں کہا اور اس کے بعد یہ بھی کہا (اعوذ باللہ منک) میں تم سے اللہ کی پناہ میں آتی

ہوں۔اس لئے کہ وہ عورت نبی کریم ﷺ کو نہیں جانتی تھی کیا نبی کریم ﷺ کو نہ جاننے سے کفر لازم آتا ہے ۔ہرگز نہیں۔لیکن مصنف کہتا ہے (وہ کافرہ اور کافر کی بیٹی تھی۔)

ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا......جس نے کسی شخص کو کفر کے ساتھ پکارا (یعنی کافر کہا) یا کہا اے اللہ کے دشمن اور وہ ایسا نہیں (جسے پکارا گیا) تو یہ قول کہنے والے پر ہی لوٹ آئے گا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیه وهو یعلم رقم الحدیث 61)

نبی کریم ﷺ کے دور میں ایسے لوگ موجود تھے جو نبی کریم ﷺ کو نہیں جانتے تھے جیسا کہ وہ عورت جسے نبی کریم ﷺ نے صبر کی تلقین کی اور اس نے جھڑک دیا لیکن پتہ چلنے پر کہ نبی کریم ﷺ تھے معذرت کرنے چلی آئی۔ (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب ماذکر ان النبی ﷺ لم یکن له بواب رقم الحدیث 7154)

اس عورت کا نبی کریم ﷺ کو نہ جاننے کی دلیل صحیح بخاری میں ہی موجود ہے کہ اس عورت سے کہا گیا کہ تم جانتی ہو کہ یہ کون ہیں؟ تو اس نے کہا: نہیں۔

(کتاب الاشربة باب الشرب من قدح النبی ﷺ وآنیته رقم الحدیث 5637)

الحمدللہ حدیث بدگمان و بے حیا مصنف کے اعتراض سے پاک ہے۔

اعتراض نمبر 26:۔

مصنف نے اپنی کتاب قرآن مقدس....ص 73-72 میں صحیح بخاری کی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اسے قرآن کے متصادم ٹھہرانے کی کوشش کی ہے اور وہ لکھتا ہے:

.....دسویں رکوع میں آیت ہے ’’**استغفر لھم او لا تستغفر لھم** ‘‘اور آیت **لا تصل علی احد منھم مات ابدا** ‘‘.....یہ آیت بطور پیش بندی اللہ تعالیٰ نے اتار کر یہ سبق دیا تاکہ آپ ﷺ کسی منافق کافر کے لئے کوئی سفارش یا استغفار نہ کریں اسی لئے آپ ﷺ نے ابی ابن سلول کا جنازہ بھی نہ پڑھا اور نہ اس کے لئے استغفار کیا...لیکن بخاری صاحب نبی ﷺ پر صریح جھوٹ پر مبنی روایت لاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ابن سلول کا جنازہ پڑھا تب یہ آیت نازل ہوئیں اور دوسرا جھوٹ راویوں کا یہ مان لیا کہ آپ ﷺ کو

استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اس لئے اس کا جنازہ آپ ﷺ نے پڑھایا۔ان الفاظ کے بعد مصنف نے اپنی عادت قبیحہ کے مطابق انتہائی غیر اخلاقی الفاظ کا اعادہ کیا۔

جواب:۔

قارئین کرام بڑی عجیب بات ہے نبی کریم ﷺ جو صاحب وحی تھے کو نعوذ باللہ قرآن سمجھ میں نہ آیا لیکن مصنف کو بہترین انداز میں قرآن سمجھ میں آ گیا۔جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے مفسر اور معلم قرآن بنایا وہ مصنف کی نگاہ میں قبول نہیں کیا عجیب انصاف ہے؟ مصنف نے نہ صرف حدیث بلکہ قرآن کریم پر بھی الزامات عائد کئے ہیں مصنف لکھتا ہے کہ ابی ابن سلول کا جنازہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا پھر بھی نبی کریم ﷺ نے جنازہ پڑھا۔
مصنف کا یہ کہنا قرآن کریم پر افتراء ہے بلکہ قرآن کریم میں ہے:

’’ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ .....‘‘ (التوبة 80/9)

’’اگر آپ ان (منافقوں) کیلئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا‘‘۔

یہی آیت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت پیش کی تھی جب نبی کریم ﷺ عبداللہ بن ابی ابن سلول کا جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے جواباً مسکراتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستّر مرتبہ سے زیادہ استغفار اس کے گناہ معاف کرا سکتا ہے تو میں یقیناً ستّر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرونگا۔

اب قرآن کریم پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستر مرتبہ استغفار کے بارے میں فرمایا یعنی نبی کریم ﷺ نے جنازہ اس لئے پڑھایا کہ آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں آپ نے اپنی رحمت کو مقید نہ کیا بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے یعنی اس وقت نماز جنازہ کی ممانعت وارد نہ ہوئی تھی صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے ستر بار بھی استغفار سے یہ منافق بخشے نہ جائیں گے لیکن ابھی اختیار باقی تھا جب صحابی رسول ﷺ نے نبی ﷺ کو روکا تھا بعد میں وہ خود فرماتے ہیں (کہ انہوں نے استغفار کے لئے نبی کریم ﷺ کو

کیوں روکا) مجھے اپنی گستاخی پر بہت افسوس ہونے لگا کہ اللہ اور اسکے رسول خوب جانتے ہیں میں نے ایسی جرأت کیوں کی؟ (مسند احمد 371/3) لہٰذا اللہ کے نبی کریم ﷺ کے فہم سے کوئی شخص بھی قیامت تک آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور کسی امتی کی کیا جرأت کہ وہ پیغمبر کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ پر تنقید کرے مصنف کو چاہیے کہ وہ توبہ کرے اور صدق دل سے اللہ کی طرف رجوع کرے ورنہ اس حالت میں موت کفر پر ہوگی جہاں تک بات ہے نبی کریم ﷺ کے فہم دین کی تو جب نبی ﷺ جنازہ پڑھا چکے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نافذ فرمایا کہ:

"وَلاَ تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَداً وَّلاَ تَقُمْ عَلَىَ قَبْرِهِ" (التوبہ 84/9)

"ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کے جنازے کی نماز ہرگز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا"۔

عمر رضی الله عنه فرماتے ہیں: "اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نہ تو کسی منافق کے جنازے کی نماز آپ ﷺ نے پڑھی نہ کسی کے لئے استغفار کیا۔

(سنن ترمذی کتاب التفسیر باب ومن سورۃ التوبہ رقم الحدیث 3097)

بقول مصنف آیت (اِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً....التوبہ 80/9) سے نماز جنازہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ یہ آیت کیوں نازل فرمائی کہ آپ ان پر نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ دونوں آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نماز جنازہ سے روکا نہیں گیا تھا اسی لئے نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تھی اب دوسری آیت میں واضح ممانعت فرمادی گئی اس کے بعد اللہ کے نبی ﷺ نے کبھی بھی استغفار نہیں فرمایا لہٰذا حدیث پاک پر اعتراض فضول ہے۔

اعتراض نمبر 27:۔

مصنف اپنی کتاب صفحہ 76-75 پر لکھتا ہے: قرآن مقدس کا مصداق جتنا صحابہ کرام کی سیرت پاک ہے اتنا سوائے آپ ﷺ کے سوا اور کوئی ہو یہ ممکن نہیں....اس کے بالکل برعکس امام بخاری کے روات کے نزدیک صحابہ کرام کی جماعت معاذ اللہ مرتد ہونیکی حالت میں اللہ کے حضور پیش ہونگے...."**ان نا سامن اصحابی یوخذ بھم ذات الشمال فاقول اصحابی ...**" بخاری 473/1) "میرے محبوب اور

پیارے صحابہ کی جماعت کو گرفت میں لیا جائے گا تو میں کہوں گا یہ تو میرے پیارے ہیں تو مجھے کہا جائے گا تو جب سے ان سے جدا ہو کر دنیا سے چلا گیا تھا یہ برابر مرتد ہی ہوتے رہے تھے..."

جواب:۔

اس صحیح حدیث میں بھی مصنف نے خیانت کی ہے حدیث کے الفاظ کا مفہوم تبدیل کر کے الزام کا رخ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف موڑ دیا جو کہ ایک حد تک کفر ہے اس حدیث میں جو مرتد لوگوں کے بارے میں آگاہی کی جارہی ہے وہ ہرگز ہرگز صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نہیں بلکہ یہ محض ایک الزام ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اس طرح ذکر فرماتے ہیں:

"**قال النبی ﷺ: أنا فرطکم علی الحوض لیرفعن الی رجال منکم ...**

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب ماجاء فی قول الله تعالیٰ واتقوا فتنة لاتصیبن.... 7049)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حوض کوثر پر تم لوگوں کا پیش خیمہ ہونگا۔ اور تم میں سے کچھ لوگ مجھ تک اٹھائیں جائیں گے (میرے پاس لائے جائیں گے) جب میں ان کو (پانی) دینے کے لئے جھکونگا تو وہ ہٹا دیئے جائیں گے میں عرض کرونگا پروردگار یہ تو میرے اصحاب ہیں ارشاد ہوگا تم نہیں جانتے کہ انہوں نے جو جو (دین میں) نئی باتیں تمہارے بعد نکالیں"۔

حدیث پر غور فرمائیے کہ ان لوگوں کو جب نبی کریم ﷺ کے سامنے لایا جائے گا تو نبی کریم ﷺ ارشاد فرمائیں گے "اصحابی" یعنی میرے اصحاب، اصحاب سے کیا مراد ہے؟ یہ کون لوگ ہیں؟ مصنف نے تو لفظ اصحاب کو توڑ موڑ کر صحابہ کی جماعت رضی اللہ عنہم پر پھیرا جو کہ دین میں خیانت ہے امام بخاری رحمہ اللہ کی فقہ کو خراج تحسین ہو کہ انہوں نے ایسے منکرین حدیث اور بدزبان کا منہ بند کرنے کے لئے ہر چند احادیث کا دفاع فرمایا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اپنی امت میں سے بعد میں آنے والوں کو کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا کہ مجھے بتاؤ اگر کسی کی سفید چمکتی پیشانی اور سفید ٹانگوں والا گھوڑا سیاہ گھوڑوں کے درمیان تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا۔ صحابہ نے جواب دیا کیوں نہیں! فرمایا: وہ لوگ آئیں گے اور ان کے اعضاءِ وضو چمک رہے ہونگے......"

(صحیح مسلم کتاب الطهارہ باب استحباب اطالة الغرة والتحجیل فی الوضوء رقم الحدیث 249)

ان آثار سے نبی کریم ﷺ اپنی امت کے لوگوں کو پہچانیں گے اب اگر اصحاب سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے تو یہ بالکل سیاق کے خلاف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کو بخوبی چہروں سے پہچانتے تھے کہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں یہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں یہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔لہٰذا صحابی کا یہ فرمانا کہ آپ کیسے پہچانیں گے اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اصحاب سے مراد امتی ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں اسکی وضاحت موجود ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

.... قالت اسماء عن النبی ﷺ قال انا علی حوضی انتظر من یرد علی فیؤخذ بناس من دونی فأقول امتی ....

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب واتقوا فتنة لاتصیبن.....رقم الحدیث 7048)

''اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (کہ قیامت کے دن) میں اپنے حوض پر ہونگا اتنے میں کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، ان کو فرشتے گرفتار کرلیں گے میں کہوں گا یہ تو میری امت کے لوگ ہیں، جواب ملے گا آپ نہیں جانتے کہ یہ لوگ الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔

پچھلی حدیث میں اصحاب کا لفظ وارد ہوا ہے جسکی وضاحت اگلی حدیث سے ہوتی ہے کہ اصحاب سے مراد صحابہ نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے امتی ہیں درمیان میں جو حدیث نقل کی ہے وہ مزید اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ صحابی نے پوچھا کہ آپ کیسے اپنی امت کے لوگوں کو پہچانیں گے یعنی نبی کریم ﷺ سے پوچھا جارہا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ہر امتی سے ملاقات نہیں کی اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے جواب دیا ''وضو کے آثار سے'' مزید اگر ہم غور کریں تو ''لغت'' میں بھی اصحاب کا مطلب صرف صحابہ کرام نہیں بلکہ اصحاب کا مطلب ''اتباع کرنے والے'' ہیں یعنی قیامت تک جو شخص نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنے والا ہوگا وہ آپ کے اصحاب (یعنی امتی) میں ہوگا۔ (دیکھیئے المعجم الوسیط ص 507)

ایک مثال سے میں سمجھانا چاہوں گا کہ اگر کسی مسئلے پر امام ابوحنیفہ فتویٰ دیتے ہیں تو کتب شروحات اور کتب فقہ میں اس طرح لکھا ہوتا ہے: ''**الیہ ذهب اصحاب ابی حنیفة**'' کہ اسی طرف ابوحنیفہ کے اصحاب گئے۔

اس سے مراد صرف وہ نہیں جو امام ابوحنیفہ کے وقت کے تھے بلکہ اصحاب سے مراد ہر زمانہ میں ہر وہ شخص ہے جو امام ابوحنیفہ کی رائے کو مانتا ہے۔اسی طرح سے نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ میرے اصحاب میرے سامنے لائیں جائیں گے اس سے مراد صرف صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں بلکہ نبی ﷺ کی امت کے وہ لوگ بھی ہیں جو بعد میں آئینگے۔لہٰذا حدیث پر اعتراض فضول ہے۔

اعتراض نمبر 28:۔

قرآن مقدس جس شان سے نازل کیا گیا اسی شان سے جمع ہوا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں جمع ہونیوالا قرآن وہ یہی ہے جو اس وقت پوری دنیا میں موجود ہے حفظی قرأت والا قرآن موجود اور محفوظ ہے کوئی دوسری قرأت اس میں موجود نہیں.....لیکن امام بخاری اپنی کتاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر ایسی روایات لاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ قرأت سکھائی اور بعض کو اس کے خلاف سکھائی اور یوں ان میں اختلاف کا سبب خود آپ ﷺ بنے... (قرآن مقدس۔ص 78-76)

جواب:۔

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے سات حروف میں اترنے پر مصنف کو اعتراض ہے ان کا یہ دعویٰ کہ قرآن کریم کی مختلف قرأتوں کا وجود نہیں تنگ نظری اور کم علمی کی واضح دلیل ہے۔مصنف کو حدیث سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی اور وہ اس حدیث کو بھی قرآن کے خلاف سمجھ کر رد کررہا ہے میں مصنف سے سوال کرتا ہوں کہ اب جو موجودہ قرأت ہے وہ بھی انہی قرأتوں میں شامل ہے اگر یہ قرأت قابل قبول ہے اور بقیہ ناقابل قبول تو اس کی دلیل کیا ہے؟؟؟ مسئلہ قرأت میں سات حروف سے مراد سات قرآن نہیں بلکہ سات لہجے ہیں جن کو خائن مصنف نے قرآن لکھا۔ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''قال کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرأ قراء ۃ أنکرتها علیه ....''

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها باب بیان القرآن انزل علی سبعه احرف)

''میں مسجد میں تھا ایک شخص داخل ہوا اور نماز پڑھنے لگا اس نے ایسی قرأت کی کہ مجھے بری معلوم ہوئی ۔ پھر دوسرا شخص داخل ہوا اس نے دوسرے طریقے سے قرأت کی''۔

حدیث مذکور سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف قرآن میں نہیں بلکہ قرأت کے، لب ولہجہ میں ہے اسی وجہ سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس طرح پڑھنا ناگوار گزرا۔ جب یہ معاملہ نبی کریم ﷺ تک پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف فاقرؤوا ماتيسر منه ''

''یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے پس جو حرف تمہیں آسان ہو اس میں تم تلاوت کر سکتے ہو''۔

اور بہت سارے ممالک میں انہی سات حروف پر مشتمل مختلف قرأتیں رائج ہیں اصل جو نکتہ ہے وہ لہجہ ہی کا ہے نہ کہ قرآن مختلف ہیں (جیسا کہ مصنف بیان کرتا ہے)اور لہجہ مختلف ہونا یہ کوئی انہونی بات نہیں مثلا، انگلش زبان کئی ممالک اور شہروں میں مختلف انداز سے بولی جاتی ہے۔

----New york میں لہجہ اور انداز مختلف ہے۔

----Texas کی انگریزی زبان کا لہجہ مختلف ہے۔

----Detroit کا لہجہ مختلف ہے۔

----Chicago کا لہجہ مختلف ہے۔

لیکن ان تمام جگہوں پر انگریزی ہی بولی جاتی ہے ۔اب آپ اردو زبان ہی کو لیجئے یہ زبان تمام ہندوستان میں بولی جاتی ہے اس کے باوجود دہلی اور یوپی کے لہجے میں فرق ہے جو ہر جگہ اس لہجہ میں نہیں بولی جاتی۔ پنجاب کا لہجہ علیحدہ ہے۔ سندھ کا لہجہ الگ ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان تمام مختلف لہجوں کو اردو ہی مانتے ہیں اور یہ ایک ہی زبان ہے اسی طریقے سے حدیث میں بھی سات حرفوں کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ سات لہجے جس پر مصنف نے اعتراض کیا ہے جو کہ ناقابل اعتراض ہے ۔رہی بات مصنف کے اس قول کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے گلے میں پھندا ڈال کر گھسیٹ کر دربارِ نبوی ﷺ میں لے جاتے اور ان

کے درمیان خانہ جنگی ہوتی ۔ یہ محض افتراء، جھوٹ اور الفاظ کی ہیرا پھیری ہے جہاں تک گلے میں پھندا ڈالنے کا تعلق ہے تو اگر اس جملہ کو ہم اس طرح سمجھیں کہ ''صحابی نے دوسرے صحابی کے گلے میں پھندا ڈالا'' مثلاً، ممکن ہے کہ گلے میں پھندا ڈالنے والے نے صرف حدیث کی محبت میں ایسا کیا ہو اور پھندا اس طرح سے ڈالا ہو کہ دوسرے صحابی کو تکلیف نہ ہوئی ہو اور اس طرح سے لے گئے کہ دونوں الفت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس جا رہے ہوں یقیناً دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کا کچھ ایسا ہی معاملہ تھا لیکن مصنف صرف الفاظ کو غلط مفہوم دیتا ہے جس میں مصنف کو بڑی مہارت ہے اگر مصنف ہی کی سوچ سے ہم قرآن کریم پڑھیں گے تو یقیناً وہاں بھی مشکل پیش ہوگی ،مثلاً، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي '' (طٰہ۔ 94/20)

''ہارون نے کہا! اے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی اور میرے سر کے بال نہ پکڑو''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑے۔ اگر مصنف کے مزاج تعصبی سے ترجمہ کریں تو اس آیت کا ترجمہ بھی کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔لیکن یہاں پر مصنف ضرور ایسا ترجمہ نہیں کرے گا تو یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی مصنف اپنی سوچ پاکیزہ رکھے اور حدیث کے متن کو منفی نہ لے جائے بلکہ اس کیلئے مثبت سوچ رکھے ۔رہی بات مصنف کے اس قول کی کہ صحابہ میں خانہ جنگی ہوئی یہ محض بہتان ہے احادیث کبھی بھی اختلافات کا باعث نہیں بنتیں ۔اس موضوع کے لئے میری سی ڈی دیکھئے ''حدیث اختلافات کو جنم نہیں دیتی'' ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

اعتراض نمبر 29:۔

قرآن پاک میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر لڑائی ہو جائے تو حکم ربانی ہے کہ ان کے درمیان صلح کرواو....وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا .....سورہ حجرات کی یہ آیت باتفاق علماء فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی ....عبداللہ بن ابی جبکہ ابھی کافر تھا..اس کی پارٹی اور جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اصحاب کی جماعت تھی باتوں باتوں میں ان کے درمیان آپ ﷺ کی موجودگی میں لاٹھیوں اور جوتوں کے ساتھ لڑائی

ہوگئی.... (بخاری کتاب الصلح 371)

.....جب کہ وہ لڑائی مؤمنوں اور کافروں کے درمیان تھی....ابن ابی اس لڑائی کے وقت کٹر کافر تھا ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا وہ مسلمانوں کی فتح اور شان وشوکت غزوہ بدر میں دیکھ کر بعد میں منافقانہ اسلام لایا تھا۔

(قرآن مقدس.....ص80-79)

جواب:۔

مصنف نے سورہ حجرات کے بارے میں لکھا کہ باتفاق علماء فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی....میں پوچھتا ہوں مصنف کن علماء کی بات کر رہا ہے؟ ایک جگہ تو ان علماء کا حوالہ نقل کرتا ہے اور ان سے استدلال کرتا ہے اور دوسری جگہ ان ہی علماء کو لعنتی کہہ کر اور ان پر اپنی من گھڑت جرح کر کے انہیں رد کر دیتا ہے یعنی مصنف کے قول اور فعل میں سنگین تضاد (منافقت) موجود ہے جو کہ انہی علماء کی اصطلاح میں ایسے شخص کی بات مردود ہو جاتی ہے یعنی مصنف کا حوالہ مصنف کے گلے کا پھندا بن گیا کیا خوب کہا کسی نے:

’’گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے‘‘

رہی بات مصنف کے اس اعتراض کی کہ جب سورہ حجرات کی آیت ’’اگر دو ایمان والوں کی جماعت آپس میں لڑیں تو دونوں میں صلاح کروادو....کا نزول جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ’’کتاب الصلح‘‘ میں ذکر فرمایا وہ اسطرح سے ہے۔

’’ان انسا قال قيل للنبى ﷺ لو أتيت عبدالله بن ابى فانطلق اليه النبى ﷺ وركب ...‘‘

(صحيح بخارى كتاب الصلح باب ما جاء فى الاصلاح بين الناس رقم الحديث 2691)

’انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ سے کہا گیا اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے چلیں (تو بہتر ہے) یہ سن کر آپ ﷺ ایک خچر پر سوار ہو کر اس کے پاس گئے مسلمان آپ کے ساتھ چلے وہاں کی زمین کھاری تھی جب آپ ﷺ اس (مردود) کے پاس پہنچے تو کہنے لگا چلو پرے ہٹو تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا ہے۔ یہ سن کر ایک انصاری بولے اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا گدھا تجھ سے زیادہ خوشبودار ہے اس پر عبداللہ کی قوم کا ایک شخص غصہ ہوا اور اس نے انصاری کو گالی دی تو دونوں طرف کے لوگوں کو غصہ آیا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو کھجور کی شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں سے مارنے لگے۔ انس رضی اللہ

عنہ نے کہا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ (سورہ حجرات کی) یہ آیت.........وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا ....اس بات میں اتری‘۔

اس حدیث پر مصنف کے دو اعتراضات ہیں ایک کہ آپس میں لاٹھیاں اور جوتیاں چلیں۔ دوم۔ آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دو ایمان والوں کی جماعت میں لڑائی ہو تو صلح کرادی جائے حدیث میں تو دو ایمان والوں کی جماعتیں ہیں ہی نہیں ایک طرف تو مسلمان ہیں دوسری طرف عبداللہ بن ابی اور اس کا لشکر جو ابھی ایمان نہیں لایا.....

اعتراض نمبر ایک کا جواب: ابن ابی کا نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ گستاخی کرنا اور صحابی رضی اللہ عنہ کا جواب دینا یہ تو یقیناً ایمان کی علامت ہے ایسا کون امتی ہے جو یہ برداشت کرے کہ اس کے سامنے اس کے نبی محمد ﷺ کی بے ادبی ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو جواب دیا وہ ایمانی حالت کی دلیل ہے مصنف کی حالت تو بالکل اس کے برعکس ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے ’’**الصارم المسلول علی شاتم الرسول**‘‘ لہٰذا گستاخی کی سزا وہ بھی نبوت کے منہج میں تو وہ صرف اور صرف موت ہے۔

اعتراض نمبر دو کا جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث کو مصنف نے بطور اعتراض پیش کیا ہے یقیناً یہ حدیث اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے الحمدللہ صحیح ہے۔ مصنف کا اعتراض کم علمی اور بدنیتی کی واضح دلیل ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب عبداللہ ابن ابی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں لڑائی ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ایمان والوں کے درمیاں لڑائی ہو تو ان میں صلح کروادی جائے اب اعتراض یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جس گروہ سے جھگڑا ہوا وہ تو کافر تھا کیونکہ عبداللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ دیکھئے (منة المنعم . عمدة القارى) اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں ایک دوسری حدیث کو شامل کرنا ہوگا جس سے یہ بات واضح ہو جائیگی کہ عبداللہ بن ابی کا لشکر ابھی ایمان نہیں لایا تھا لیکن جب یہ مسئلہ در پیش آیا تو اس وقت بعض ایمان والے بھی ان کے ساتھ موجود تھے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں:

’’التسليم فى مجلس فيه اخلاط من المسلمين والمشركين‘‘

'اگر کسی مجلس میں مسلمان، مشرک سب طرح کے لوگ ہوں جب بھی مجلس والوں کو سلام کر سکتے ہیں'۔

آگے حدیث میں بیان ہے:

........اخبرنی اسامه بن زید ان النبی ﷺ رکب حمارا علیه اکاف تحته قطیفة فدکیة ..... (صحیح بخاری کتاب الاستئذان)

'اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ایک خچر پر سوار تھے جس پر پالان تھی اس پر ایک چادر فدک کی پڑی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ آپ ﷺ سعد بن معاذ کی عیادت کے لئے بنو حارث بن خزرج کے محلے میں جا رہے تھے (وہ بیمار تھے) یہ اس وقت کا ذکر ہے جب جنگ بدر نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ (راستے میں) ایک مجلس پر سے گزرے جس میں مسلمان، مشرک، بت پرست، یہود سب موجود تھے ان میں ابن ابی بن سلول (مشہور منافق) بھی تھا اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب گدھے کی گرد مجلس والوں تک پہنچنے لگی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک چادر سے ڈھانک لی، پھر کہنے لگا جی ہم پر گرد مت اڑاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے مجلس والوں کو سلام کیا (معلوم ہوا کہ اس گروہ میں مسلمان بھی موجود تھے) پھر آپ ﷺ ٹھہر گئے خچر سے اتر کر انہیں اللہ کی طرف بلایا قرآن پڑھ کر ان کو سنایا...'

اس حدیث کو پڑھنے کے بعد اب نتیجہ یہ نکلا کہ اس پہلی حدیث میں مفصل ذکر نہیں تھا کہ عبداللہ بن ابی کے گروہ کے علاوہ وہاں دوسرے مسلمان بھی تھے لیکن اسی حدیث نے (جو کہ پچھلی حدیث کی کڑی ہے) اس بات کی مکمل وضاحت کر دی لہٰذا اسی بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اے ایمان والوں اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو یہاں سے مراد ابن ابی نہیں بلکہ وہ مسلمان ہیں جو انکے ساتھ تھے علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں رقمطراز ہیں:

''وقد جاء هذا المعنی مبینا فی هذا الحدیث فی کتاب الاستئذان من روایة اسامه بن زید رضی الله عنه ......'' (عمدة القاری جلد13ص397)

''اور یہ معنی اس حدیث میں اسامہ بن زید کی روایت سے کتاب الاستئذان میں وضاحت کے ساتھ آیا ہے''۔

ابو العباس القرطبی المفهم میں رقمطراز ہیں

''والطائفة التی غضبت لعبدالله کان منها منافقون علی رأی عبدالله ومنها مؤمنون

حملهم علی ذالک بقیة حمیة الجاهلیة ونزغة الشیطان'' (المفهم جلد3ص658)

''اور جو گروہ عبداللہ (بن ابی) کی حمایت میں غصہ ہوا اس میں بعض منافقین تھے عبداللہ کی رائے پر اور اس میں بعض مومنین تھے جنہیں غیرت جاہلی اور شیطان کے وسوسہ نے اس بات پر ابھارا''۔

لہٰذا شارحین کی ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں کچھ ایمان والے لوگ بھی موجود تھے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب باندھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ: اگر کسی مجلس میں مسلمان مشرک سب طرح کے لوگ ہوں جب بھی مجلس والوں کو سلام کر سکتے ہیں لہٰذا یہ بات عیاں ہوئی کہ اس مجلس میں مسلمان بھی تھے الحمدللہ اسی گروہ کو مخاطب کر کے قرآن نے فرمایا: ''وَاِنْ طَائِفَتَانِ .... لہٰذا حدیث اعتراض سے پاک ہے۔

اعتراض نمبر 30:۔

قرآن مقدس میں بیان ہوا کہ جو شئے مسلمانوں کے لئے ضرر رساں ہو اس سے کبھی نفع کی توقع نہ ہو تو اس کو مٹا دیا جانا چاہیے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے پانچ جانوروں کو بھی قتل کر دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا .....**اقتلوا الخمس الفوسقة**... لیکن امام بخاری ایک قصہ نقل کرتے ہیں جو غالباً کسی یہود النسل کا بتایا ہوا ہے جس میں ایک پیغمبر کا اللہ کی تسبیح کرنے والے جانداروں کو قتل کرنا ثابت ہے حالانکہ ایسا فعل انبیاء کی سیرت سے قطعاً میل نہیں کھاتا.... کہ اللہ کے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹیوں کا پورا استھان جلوا دیا.... (قرآن مقدس ...ص82-81)

جواب:۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِباً أَوْ کَذَّبَ بِآیَاتِهِ إِنَّهُ لاَ یُفْلِحُ الظَّالِمُون

(الانعام 21/6)

''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اللہ کی آیات کو جھٹلائے۔ ایسے ظالموں کو کامیابی نہ ہو''۔

مصنف نے ہر جگہ نہ صرف احادیث کے ترجمہ میں گڑبڑ کی ہے جسکی نشاندہی پچھلے صفحات میں کی گئی ہے بلکہ کئی مرتبہ قرآن کریم کو بھی مورد الزام ٹھہرایا جو واقعتاً آیات وعید کا مستحق ہے علامہ سعید نے قرآن کریم پر بہتان اور جھوٹ باندھا ہے اور کہا کہ قرآن مقدس میں جو بیان ہوا ہے۔ جو شئے مسلمانوں کے لئے ضرر رساں ہو اس سے کبھی نفع کی توقع نہ ہو تو اس کو مٹا دینا چاہیے۔ یہ کس آیت کا ترجمہ ہے؟ یقیناً جو شخص اللہ کے نبی ﷺ کی احادیث سے بغض رکھے گا اس کا یہی حال ہوگا اور اس کی مت ماری جائے گی جیسے مصنف کی۔ ایک جگہ تو حدیث کا رد لیکن دوسری جگہ استدلال بھی حدیث ہی سے واہ کیا خوب!

جہاں تک مصنف کے اعتراض کا تعلق ہے اگر مصنف قرآن کی تلاوت کر لیتا تو یقیناً اسے اس اعتراض کی جرأت نہ ہوتی مثلاً ،قرآن کریم موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو

فَانۡطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیۡرِ نَفۡسٍ (الکھف 74/18)

''چنانچہ وہ دونوں پھر چل کھڑے ہوئے حتیٰ کہ ایک لڑکے کو ملے جسے خضر علیہ السلام نے مار ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم نے ایک بے گناہ شخص کو مار ڈالا جس نے کسی کا خون نہ کیا تھا؟''

اس آیت مبارکہ میں خضر علیہ السلام سے ایک قتل کا ذکر ہے کہ وہ نفسا زکیہ یعنی بغیر کسی جرم کے اس شخص کو قتل کر ڈالا اب مصنف اس آیت کے بارے میں کیا کہے گا؟ لازماً کوئی تاویل کرے گا۔ تو جس طرح قرآن کو سمجھنے کے لئے اچھے گمان کی ضرورت پڑتی ہے بالکل اسی طرح حدیث کو سمجھنے کے لئے بھی اچھے گمان کی ضرورت پڑے گی۔ وہاں تو محض چونٹیاں تھیں یہ بات تو مصنف کو قابل اعتراض نظر آگئی اب یہاں آیت میں تو ایک انسان ہے اس کا مصنف کے پاس کیا جواب ہوگا؟

قارئین کرام ان تمام معاملات کا تعلق انبیاء کے ساتھ خاص تھا چیونٹیوں کو جلانے کے بعد اللہ کی یہ منشاء ہے کہ اس نے آئندہ ممانعت صادر فرمادی اس سے پہلے ان کی شریعت میں ممانعت نہیں ہوگی یہ عین ممکن ہے دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی بات میں کیا حکمت ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ جب ہم موسیٰ اور خضر علیہم السلام کے واقعے کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو وہاں بھی ہمیں حکمتیں ہی نظر آتی ہیں لہٰذا ایمان لانا ہمارا کام

ہے کھوج لگانا یہ صرف شیطان کا وسوسہ ہے۔

اعتراض نمبر 31:۔

''ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا'' (النحل)

لیکن داد دیجئے امام بخاری کو جو قرآن کی اس آیت کی تفسیر ایک عورت کا واقعہ بتاتے ہیں جو خرقاء نامی مکہ میں رہتی تھی اور صبح کو سوت کات کر شام کو توڑ موڑ دیتی تھی پھر کمال تعجب ہے کہ بخاری صاحب ایسی تفسیر سدی کذاب اور ان کے تلمیذ احمق صدقہ بن ابی عمران پر اعتماد کر کے اپنی کتاب میں درج کر دیتے ہیں..

قال ابن عیینه عن صدقة انکاثا خرقاء کانت اذا أبرمت غزلها نقضته....

(بخاری 683،قرآن مقدس .....ص 83-82)

جواب:۔

قرآن کریم کی آیت ''وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِیۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا .... (النحل 92/16)

'اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا....'

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد مصنف نے علم رجال اور علم جرح وتعدیل میں اپنی چودھراہٹ جمانے کی ناکام کوشش کی اس کوشش میں مصنف کی بدنیتی اور جہالت مزید عیاں ہوئی۔ قارئین کرام: مصنف نے رواۃ پر جرح کی اور سدی کو کذاب کہا جسکا ترجمہ (حالات زندگی) ہم کتاب کے آخر میں پیش کریں گے اور یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ سدی باوجود معتبر ہونے کے بخاری کے رجال میں سے نہیں ہے۔

رہا اعتراض صدقہ بن ابی عمران پر تو یہ مصنف کی ناقص تحقیق ہے کہ انہوں نے صدقہ کو صدقہ بن ابی عمران کہا جبکہ صدقہ بن ابی عمران بخاری کے راویوں میں سے نہیں۔ اور یہاں صدقہ ابو الہذیل مراد ہے جن سے امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا جیسا کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا حدیث مصنف کے ناپاک اعتراض سے پاک ہے۔ اور یہ کہنا کہ تلمیذ احمق صدقہ بن ابی عمران تو کتاب کے آخر میں ان کے بارے میں ذکر کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر 32:۔

قرآن مقدس کے نزول سے قبل تو شیاطین الجن کو کوئی آسمانی خبر فرشتوں کی آپس میں گفتگو کے ذریعہ آدھی پونی سن لی جاسکتی تھی مگر نزول قرآن کے بعد ان کے لئے اللہ نے شہاب ان کو بھسم کرنے والے مقرر کردیئے....قرآن میں ہے "**وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا**" اور سطح آسمان کے قریب کچھ ٹھکانوں میں سننے کے لئے جا بیٹھتے تھے پس جو وہاں سننے کے لئے پہنچے تو اپنے لئے ایک شعلہ جلا دینے والا تیار پاتا ہے یعنی اب کسی جن کا پہلے کی طرح سننا ممکن نہیں رہا.....

لیکن امام بخاری کی قرآن میں بصیرت کی داد دیجئے کہ وہ نزول قرآن کے بعد بھی اس کے قائل ہیں کہ جن شیاطین اب بھی کوئی نہ کوئی فرشتوں کی بات سن کر اپنے کاہن مریدوں کو بتا دیتے ہیں اس لئے کاہنوں کی وہ بات سچی ثابت ہوتی ہے اور اسی سچی بات میں اور جھوٹ ملا لیتے ہیں....

'**ان الملئكة تنزل فی العنان وهو السحاب ...**' (بخاری 456 بدء الخلق باب ذکر الملائکة)

بخاری صاحب کا شغل چونکہ روایات میں لگن ہی تھا اس لئے ان کی توجہ سورۃ الجن، سورۃ الحجر، الصافات کی طرف نہ ہوئی..... (قرآن مقدس....ص 84-83)

جواب:۔

الحمدللہ امام بخاری رحمہ اللہ کی نظر قرآن کریم پر بھی تھی اور نبی کریم ﷺ کے فرمان پر بھی کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ دونوں (قرآن وصحیح حدیث) کو نجات اور ہدایت کا ذریعہ سمجھتے تھے لیکن مجھے افسوس ہے مصنف کے اعتراض پر کہ ان کی نظر قرآن کریم پر بھی نہیں کیونکہ قرآن کی بصیرت تو اہل علم کے لئے ہے جاہلوں کو تو صرف سلام کہہ کر ہی گزر جانا چاہیے کیونکہ جاہل خود تو گمراہ ہوتا ہی ہے باقیوں کو بھی گمراہی کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے رہی بات امام بخاری رحمہ اللہ کی اس حدیث کی جس کو مصنف نے قرآن کے خلاف سمجھا وہ کچھ اس طرح سے ہے۔

"**انها سمعت رسول الله ﷺ ان الملئكة تنزل فی العنان هو السحاب فتذكر الامر قضی فی السماء ....**" (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکة رقم الحدیث 3210)

'عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے بادل میں فرشتے اترتے ہیں اور آسمان میں اللہ کے جو احکامات صادر ہوئے ان کا ذکر کرتے ہیں، شیطان کیا کرتے ہیں؟ چپکے سے بادل پر جا کر فرشتوں کی باتیں اڑا لیتے ہیں اور اپنے پجاریوں کو خبر دیتے ہیں اور پجاری ایک سچی بات میں سو باتیں جھوٹ اپنے دل سے ملا دیتے ہیں'۔

ایک اصول ہے کہ عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا یعنی کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے کسی چیز کا نہ ہونا لازم نہیں آتا اس حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ ان کو شہاب سے مار نہیں پڑتی بلکہ ایک اور حدیث ہے جس میں صراحتاً ذکر ہے کہ وہ جاتے ضرور ہیں آسمان کی طرف مگر ان کو وہاں مار پڑتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتاً ایک ستارا ٹوٹا اور روشنی ہوگئی آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ دور جاہلیت میں جب ایسا واقعہ ہوتا تو تم کیا کہتے تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ ہم تو یہی کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی مر گیا یا پیدا ہوا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ کسی کی زندگی یا موت سے نہیں ٹوٹتا بلکہ ہمارا رب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو حاملان عرش تسبیح کرتے ہیں پھر آسمان والے فرشتے جو ان کے قریب ہوتے سبحان اللہ کہتے ہیں۔حتی کہ سبحان اللہ کی آواز اس آسمان تک پہنچتی ہے پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا وہ انہیں خبر دیتے ہیں یعنی اسی طرح ہر نچلے آسمان والے اوپر آسمان والوں سے پوچھتے ہیں حتی کہ یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچتی ہے اور شیطان اچک کر سننا چاہتے ہیں تو ان کو مار پڑتی ہے اور وہ کچھ بات سن کر اپنے یاروں (کاہنوں) پر ڈال دیتے ہیں وہ خبر تو حق ہوتی ہے مگر وہ اسے بدل اور گھٹا بڑھا دیتے ہیں۔

(سنن الترمذی کتاب التفسیر باب ومن سورة سبأ رقم الحدیث 3224)

اس حدیث کے بیان سے معلوم ہوا کہ شیاطین خبر لینے جاتے ضرور ہیں لیکن ان کو مار پڑتی ہے لہٰذا پچھلی حدیث میں صراحت نہ تھی لیکن دوسری حدیث نے مکمل وضاحت کردی۔قرآن کریم میں بھی اس بات کا اشارہ ملتا ہے لیکن بدنیت مصنف صرف اور صرف حدیث پر غیر ضروری اعتراض کیا ہے یہ اس کی جہالت کا نتیجہ ہے۔

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ o دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ o اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (الصافات 10/37-8)

'وہ ملأ اعلیٰ کی باتیں سن ہی نہیں سکتے اور ہر طرف سے ان پر (شہاب) پھینکے جاتے ہیں تاکہ وہ بھاگ کھڑے ہوں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے تاہم اگر کوئی ایک بات لے اڑے تو ایک تیز شعلہ تعاقب کرتا ہے'۔

آیت مبارکہ میں جو ممانعت ہے وہ ملأ اعلیٰ کی طرف جانا ہے جو کہ ان (شیاطین) کے لئے ناممکن ہے لیکن ملأ اعلیٰ سے یہ خبر ہوتے ہوئے آسمان دنیا تک پہنچتی ہے تو وہاں سے یہ شیاطین خبر کو اچک لیتے ہیں جیسا کہ آیت مبارکہ میں اشارہ موجود ہے کہ "تاہم اگر کوئی بات لے اڑے تو ایک تیز شعلہ تعاقب کرتا ہے۔ یعنی اب بھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی خبر یا بات لے اڑے تو شعلہ تعاقب کرتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ حدیث کسی بھی طرح سے قرآن کے خلاف نہیں بلکہ مصنف بلاوجہ حدیث کو قرآن کے خلاف کہہ کر ایمان والوں کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔ قارئین کرام آج بھی شہاب سینکڑوں کی تعداد میں فضاء میں داخل ہوتے ہیں۔

فروری میں ایک مصنوعی سیارہ (The pegasus 11) چھوڑا گیا جس نے خلاء میں داخل ہونے والے شہابیوں (Meteroids) کی مقدار کو ریکارڈ کیا۔ خلاء میں روزانہ 100 ملین شہابئے داخل ہوتے ہیں اور تمام ہی فضاء میں جل جاتے ہیں۔ (Merit Student Encylopedia) شہابیوں کی ایسی بارش شیاطین کو آسمان کی جانب چڑھنے سے روکتی ہے۔

نوٹ:۔ موجودہ دور میں بے شمار احادیث کی حقانیت سامنے آئی ہے اس موضوع کی تفصیل کے لئے میری کتاب "حدیث نبوی اور جدید سائنس" کا مطالعہ کریں۔

اعتراض نمبر 33:۔

قرآن مقدس کی ایک سورت ہے جو اخلاص کے نام سے مشہور ہے یعنی

"**قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصمدلم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد**"، اسی سورت کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سورہ اخلاص، "**تعدل ثلث القرآن**"، کہ سورہ اخلاص پورے قرآن کی

تہائی کے برابر ہے.... لیکن امام بخاری جن کا شغل روایات جمع کرنا اور اپنی کتاب کو مسند اور صحیح ثابت کرنا تھا انہوں نے راویوں کی روایت کا پس وپیش دیکھے بغیر اور قرآن کے تناظر میں روایت کو پرکھنے کی بجائے صرف درج کتاب کرنے کو ہی بہتر سمجھا وہ سورۃ اخلاص کا حلیہ کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔

"**قال النبی ﷺ ایعجز احدکم ان یقرء ثلث القرآن فی لیلة...**"

(بخاری 750 کتاب فضائل القرآن)

یعنی "**قل ھو الله احد الله الصمد**" الخ کے بجائے سورت اخلاص یوں ہے،، **الله الواحد الصمد** اور یہی ثلث القرآن ہے۔ (قرآن مقدس....ص99)

جواب:۔

قارئین کرام مصنف نے یہاں ٹھوکر کھائی ہے نہ وہ خود سمجھ سکا اور نہ دوسروں کو سمجھا پا رہا ہے۔ مصنف نے بڑی جرأت کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر قرآن میں زیادتی کا الزام لگایا ہے یہ بڑی جرأت کی بات ہے مصنف کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ **هذا بهتان العظیم (انا لله وانا اليه راجعون)**

مصنف جو بار بار اپنی تحریر میں "**قل هو الله احد**" کا نام سورہ اخلاص لیتا ہے میں پوچھتا ہوں یہ نام اس کے کان میں کس نے پھونکا ہے؟؟ اس لئے کہ قرآن کریم نے یہ نام کہیں بھی ذکر نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ کا فرمانا "**الله الواحد الصمد**" سے ہرگز مراد سورۃ الاخلاص کی آیت نہیں ہے بلکہ **قل هو الله احد** سورۃ کا نام ہے مصنف نے بڑی چالاکی سے سورۃ کے نام کو سورۃ بنادیا اسے قرآن میں اضافہ کا الزام لگا کر نبی کریم ﷺ کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔

قارئین کرام ہم جانتے ہیں کہ ہر سورۃ کے مختلف نام ہیں مثلاً، سورہ فاتحہ ہی کو لے لیں پوری سورۃ میں فاتحہ کے لفظ کہیں نہیں ہے تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ نام رکھنے والے نے زیادتی کی ہے۔ (سورتوں کے نام نبی کریم ﷺ سے ہی ثابت ہیں) ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ نبی کریم ﷺ نے ہی "**الحمدلله**" سورۃ کا نام سورۃ فاتحہ، **سورۃ رقية، سبع مثانی**، وغیرہ وغیرہ رکھا ہے بالکل اسی طرح سے سورۃ اخلاص یعنی **قل هو الله احد** کا

نام بھی نبی کریم ﷺ نے ہی رکھا یعنی اس سورۃ کو ''**الله الواحد الصمد**''بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ سورۃ کا نام ہے لہٰذا مصنف نے جو بھی حدیث کے خلاف سازش کی ہیں **الحمدلله** اللہ تعالیٰ نے مصنف کی چال کو ناکام کر دیا۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ، لہٰذا حدیث اعتراض سے پاک ہے۔

اعتراض نمبر 34:۔

قرآن پاک کی سورۃ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا''**فمالكم فى المنافقين فئتين والله اركسهم بما كسبوا**'' یہ آیت ان لوگوں کے خلاف نازل کی گئی جو مدینہ سے باہر مختلف قبائل میں سے مسلمان ہو گئے تھے ان سے کہا گیا تھا کہ وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ تا کہ اسلام کو اچھی طرح سمجھ لو اور صحیح معنوں میں اسلامی زندگی جان جاؤ.....

لیکن اخباری آدمی کا مطمع نظر چونکہ روایات جمع کرنا ہوتا ہے قرآن پاک کی بصیرت حاصل کرنا انکا شغل نہیں ہوتا (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت) اسی لئے امام بخاری نے بڑے وثوق کے ساتھ ایک روایت درج کتاب کر کے قرآن کے صریح خلاف عدی بن ثابت کٹر رافضی پر اعتماد کر لیا اور فرمایا کہ یہ آیت منافقین مدینہ عبداللہ ابن ابی بن سلول کے متعلق نازل ہوئی....امام بخاری نے قرآن دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی ورنہ ''**حتى يهاجروا فى سبيل الله**'' بانگ دہل کہہ رہا ہے کہ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آنے والے باہر کے لوگ ہونگے خود مدینہ کے منافق کا ہجرت کرنا کیا تُک بنتا...   .(قرآن مقدس....ص102-100)

جواب:۔

ایمان والوں کو دھوکہ دینا یہ منافقین کا پیشہ ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ مصنف نے منافقین کا رویہ کیوں اختیار کیا؟ یقیناً ابن سلول کے طریقے پر چل کر مصنف نے قرآنی آیات کا سیاق بدلنے کی کوشش کی....مزید لکھنے سے پہلے قارئین کرام میں عرض کرتا چلوں کہ مصنف نے ہمیشہ قرآن و حدیث کے مفہوم کو تبدیل کرنے

کی کوشش کی جیسا کہ پچھلے اعتراضات کے جوابات میں واضح کر دیا گیا یہاں بھی مصنف نے کچھ اسی طرح کا عمل دہرا دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

فَمَا لَكُمْ فِىْ الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ.   (نساء4/88)

''(مسلمانوں) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ بن گئے۔''

کتب احادیث میں اس کا شان نزول کچھ اس طرح سے بیان ہوا ہے۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جب نبی کریم ﷺ احد کی طرف نکلے تو کچھ لوگ (منافقین) آپ ﷺ کو چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے۔ان واپس ہونے والوں کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے دو گروہ ہو گئے ایک کہتا تھا کہ ہم ان سے (بھی) لڑائی کرینگے اور دوسرا کہتا تھا کہ ہم ان سے لڑائی نہیں کریں گے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(بخاری کتاب التفسیر کتاب المغازی ،صحیح مسلم کتاب صفة المنافقین)

اس حدیث پر غور فرمائیں حدیث میں منافقین کا ذکر ہے اور ان کا سردار عبداللہ ابن ابی تھا جو کہ جنگ احد میں تہائی لشکر لے کر جنگ کے دوران ہی واپس پلٹ گیا تھا۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**(رجع ناس من احد) هم عبدالله بن ابى ابن سلول ومن تبعه**''

(فتح الباری جلد8ص325 کتاب التفسیر)

''(یعنی جو لوگ جنگ احد سے واپس لوٹ گئے) وہ عبداللہ ابن ابی اور اس کے پیروکار (منافقین) تھے''۔

ان لوگوں کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں اختلاف ہوا کہ ان سے قتال کیا جائے یا نہیں؟ یعنی اس مسئلہ کا تعلق اس آیت کے ساتھ ہے جس میں ذکر ہوا ہے کہ (مسلمانوں) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ بن گئے۔یعنی یہ آیت منافقین اور ان کے سردار عبداللہ ابن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔

مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 102-101 میں لکھتا ہے کہ....یہ آیت منافقین مدینہ عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے متعلق نازل ہوئی....امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی ورنہ....''**حتى يهاجروا فى سبيل الله**''...

عبداللہ ابن ابی کے بارے میں جو آیت اتری اور بخاری میں مذکور ہے، مصنف اس کا رخ آیت کی ابتداء سے ہٹا کر آیت کے آخری حصہ پر لے گیا تا کہ زبردستی مذکورہ حدیث کو قرآن سے ٹکرا کر اپنی حدیث دشمنی کا ثبوت دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کہنا کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئی. انکا مقصد اس آیت کا تھا ''کہ (مسلمانوں) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو''یعنی یہ آیت منافق عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ مصنف نے اس کا رخ موڑ کر ''حَتّٰی یُھَاجِرُواْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ'' کی طرف کر دیا۔ اور اعتراض کرتا ہے کہ ہجرت تو وہ کریں گے جو مدینہ کے باہر کے لوگ ہونگے عبداللہ بن ابی تو مدینہ کا ہی رہائشی تھا لہٰذا اس کا ہجرت کرنا محل نظر ہے۔

اس کا جواب بھی کئی طریقوں سے دیا جا سکتا ہے لیکن مختصراً کہتا چلوں کہ جیسے میں نے پیچھے بھی وضاحت کی ہے کہ پہلی آیت کا حصہ کہ مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے اس کا شان نزول اور دوسری آیت ''حَتَّـی یُھَاجِرُواْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کا شان نزول مختلف ہیں۔ آیت نمبر 88 کے شان نزول کی تفصیل یہ ہے۔

''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ جب نبی کریم ﷺ احد کی طرف نکلے تو کچھ لوگ (منافق) آپ ﷺ کو چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے۔ ان واپس ہونے والوں کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک کہتا تھا کہ ہم ان سے بھی لڑائی کرینگے۔ اور دوسرا کہتا تھا۔ ہم ان سے لڑائی نہیں کرینگے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی''۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب فمالکم فی المنافقین .....الخ رقم الحدیث 4589)

آیت نمبر 89۔''حَتَّـی یُھَاجِرُواْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے شان نزول پر بھی غور کرنا ضروری سمجھتا ہوں یہاں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ منافقوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مدینہ کے ارد گرد آباد قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں سے خیر خواہی اور محبت کا اظہار ضرور کرتے تھے مگر عملی طور پر اپنے ہم وطن کافروں کا ساتھ دیتے تھے یا دینے پر مجبور تھے۔ ان کے لئے معیار یہ مقرر کیا گیا اگر وہ ہجرت کر کے تمہارے پاس مدینہ آ جائیں اور تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں تو اس صورت میں تم انہیں سچا بھی سمجھو اور اپنا ہمدرد بھی۔ اگر وہ اسلام کے خاطر اپنا گھر بار چھوڑنے کی قربانی دینے پر تیار نہیں تو تم ان پر ہرگز اعتماد نہ کرو اور انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔

ہجرت کرنے کا تعلق ان منافقین کے ساتھ تھا جو مدینے کے ارد گرد رہائش پذیر تھے مصنف نے ہجرت کا تعلق عبداللہ بن ابی ابن سلول کی طرف موڑ کر حدیث کو قرآن کے خلاف ٹھہرایا جو کہ مصنف کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے لہٰذا اب یہ ترتیب نزول اس طرح ہوئی کہ صحابہ کا کہنا کہ نزول آیت عبداللہ بن ابی ابن سلول کے باب میں اتری یہ وہ آیت ہے کہ جس مسئلہ میں مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ دوسری آیت کہ ''یہاں تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں اللہ کے رستے میں'' اس آیت کا تعلق ان منافقین کی جماعت کے ساتھ تھا جو مدینہ کے ارد گرد رہائش پذیر تھے لہٰذا دونوں کا پس منظر مختلف ہے مصنف نے پہلی آیت کا نزول دوسری آیت کے ساتھ ملا کر مفہوم کو بڑی چالاکی سے بگاڑنے کی کوشش کی۔ لہٰذا مصنف کا اعتراض بدنیتی اور جہالت پر مبنی ہے۔ الحمدللہ حدیث اعتراض سے پاک ہے۔

اعتراض نمبر 35:۔

''والذین تبوؤ والدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولایجدون فی صدورھم حاجۃ'' (9/59) یہ پوری آیت سابقہ آیت پر معطوف ہے اور دونوں آیتوں میں مال فئی کے مصرف کا بیان ہے کہ ضرورت مند مہاجرین اور ضرورت مند انصار اس مال کا مصرف ہیں.....ان میں سے کسی آیت کے ٹکڑے کے ساتھ اور کسی قصہ کا تعلق نہ ہے ......لیکن ذرا داد دیجئے امام بخاری کی قرآن دانی کی کہ وہ اپنی صحیح میں ابو حازم اشجعی اور ایسے افسانہ گورایوں پر اعتماد کر کے بے لگان ایک قصہ کے ایک ٹکڑے کو..... **''ویؤثرون علی انفسھم''** کا شان نزول قرار دیتے ہیں....

مقصد آیت کا کچھ تھا لیکن امام بخاری نے آیت کی تقطیع کر کے ہر ٹکڑے کو الگ کر کے مضمون قرآن کو منتشر کر دیا صحیح بخاری 535 کتاب المناقب میں وہ قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک مہمان کو ایک صحابی میزبان بن کر لے گیا وہ میاں اور بیوی دونوں چراغ بجھا کر خالی چبکارے مارتے رہے کہ گویا وہ بھی کھا رہے ہیں اسی طرح مہمان نے سیر ہو کر کھا لیا صبح کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کو جو تم نے کیا تھا اس پر اللہ نے ''**ویؤثرون علی انفسھم**'' آیت کا ٹکڑا نازل فرمایا ہے۔ (قرآن مقدس.... 104-103)

جواب:۔

اگر آیت مبارکہ پر غور کرتے ہیں تو سورۃ حشر کی آیت 9 میں مال فئی کے ساتھ ساتھ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی ذکر ہے جو مہاجرین تھے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی جو کہ انصار تھے بدنیت مصنف نے دھوکہ سے کام لیا مصنف جو اعتراض صحیح بخاری کی حدیث پر کررہا ہے کہ "وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ.... آیت مال فئی کے ساتھ معطوف ہے، اسی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰی أَنْفُسِهِمْ ... الاية (الحشر 59/ 9)..........اور مہاجرین کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود فاقہ سے ہوں۔

سابقہ آیت مال فئی پر روشنی ڈالتی ہے اور آیت نمبر 9 میں مال فئی کے ساتھ ان صحابہ کا ذکر بھی ہے جنہوں نے اپنے مہاجرین بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دی......لہٰذا آیت مبارکہ ہی اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر حدیث مبارکہ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کردیا تو کونسا ستم کردیا بلکہ صحیح بخاری کی حدیث نے مزید اس آیت کا پس منظر واضح کردیا۔ یہ پس منظر صحیح بخاری کی حدیث میں کچھ اسطرح ہے کہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ میں بہت بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے ہاں سے پتہ کرایا لیکن وہاں کچھ نہ ملا پھر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کوئی ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے۔ اللہ اس پر رحم کرے ایک انصاری نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں اس کی مہمانی کرونگا۔ اور یہ اس شخص کو اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا یہ شخص رسول اللہ ﷺ کا (بھیجا ہوا) مہمان ہے لہٰذا جو چیز بھی ہو اسے کھلاؤ۔ وہ کہنے لگیں اللہ کی قسم میرے پاس تو بمشکل بچوں کا کھانا ہے اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا یوں کرو بچے جب کھانا مانگنے لگے تو انہیں سلادو اور جب ہم دونوں کھانا کھانے لگے تو چراغ گل کردینا۔ اسی طرح ہم دونوں آج رات کچھ نہ کھائیں گے (اور مہمان کھالے گا) چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ صبح جب وہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا فلاں مرد اور فلاں عورت پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الحشر باب 6 رقم الحدیث 4889)

غور فرمائیں کیا یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے نہیں بلکہ قرآن کریم کی آیت کی تشریح و وضاحت

کرتی ہے کیونکہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

" أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ "(الفتح 29/48)

"وہ (صحابہ) کافروں پر سخت (مگر) آپس میں رحم دل ہیں"۔

اور یقیناً مذکورہ آیت مبارکہ کا شان نزول بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کے ساتھ جو مہمان نوازی کا معاملہ فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ لہٰذا سابقہ آیت اور مذکورہ آیت دونوں کا تعلق مال فئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاکباز کردار کے ساتھ ہے اور صحیح بخاری کی حدیث اس کردار اور ایمان افروز واقعے کو خلاصے کے ساتھ ذکر کرتی ہے لہٰذا یہ حدیث قرآن کے خلاف قطعاً نہیں ہے۔

نوٹ:۔

محترم قارئین اگر کوئی صحیح حدیث بظاہر قرآن کے خلاف نظر بھی آتی ہے تو وہ خلاف نہیں ہے بلکہ ہمارے فہم کا قصور ہے کیونکہ ہر آیت اور حدیث کا پس منظر مختلف ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی آیت یا حدیث خلاف نظر آئے تو اسے اس کے پس منظر تناظر اور اسلاف سے سمجھنا ہی عقل مندی ہے۔

(قارئین کرام مصنف نے جن راویوں کو اپنی کم علمی اور جہالت کے سبب بدعتی اور رافضی کہا ہے ان شاء اللہ کتاب کے آخر میں ان راویوں کے بارے میں لکھا جائے گا)

اعتراض نمبر 36:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا تھا کہ جنات کے ایک گروہ نے بڑی توجہ کے ساتھ قرآن سنا ہے اور وحی حق نے یہ بھی بتایا اس گروہ نے جا کر اپنی قوم سے ذکر کیا اور یہ تصریح سورۃ الجن کے پہلے رکوع اور سورۃ احقاف کے چوتھے رکوع میں ہے۔ "قل اوحی الی انه استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا ..... لیکن امام بخاری راویوں کے چکر میں پھنس کر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جنات کے قرآن سننے کی اطلاع ایک درخت نے دی تھی......

(قرآن مقدس.....ص105)

جواب:۔

مصنف نے اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے وہی اعتراض کیا جو کئی مقامات پر کر چکا ہے اور الحمدللہ ان اعتراضات کے جوابات بھرپور دلائل کے ساتھ دیئے جا چکے ہیں یہاں مصنف کا اعتراض یہ ہے کہ قرآن میں ہے کہ جنوں کے آنے کی خبر وحی کے ذریعے کی گئی، لیکن حدیث میں ہے کہ ایک درخت نے نبی ﷺ کو خبر دی۔ یقیناً اس میں امام بخاری رحمہ اللہ کا کیا قصور اگر حدیث پڑھنے والے کی آنکھیں بند ہوں تمام اور اس کی نیت یہ ہو کہ تمام سعی اور وسائل احادیث دشمنی میں لگے امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے وہ حدیث ہی نیت کی درستگی پر مبنی ہے قاری اپنی نیت کو درست کر لے تا کہ اسے حدیث کی معرفت اور فقاہت نصیب ہو۔

اگر ہم قرآن وسنت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ضوء النہار کی طرح یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث کسی بھی طرح قرآن کے خلاف نہیں بلکہ آپس میں مطابقت رکھتی ہے۔ مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ کئی بار اللہ کے نبی ﷺ کی ملاقات جنوں سے ہوئی ہے۔ سورۃ الاحقاف میں جو کا ذکر ہے کہ وحی کے ذریعے اللہ کے نبی ﷺ کو خبر دی گئی کہ جنوں کی ایک جماعت قرآن سن رہی ہے یہ ابتدائی کا واقعہ ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ قمطراز ہیں کہ:

''**وقصة استماع الجن للقرآن كان بمكة قبل الهجرة** '' (فتح الباری جلد6ص217)

یعنی جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ جو قرآن میں ہے وہ ہجرت سے قبل مکہ کا ہے۔

ایک اور واقعہ صحیح بخاری میں ہی موجود ہے کہ ''**عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ کان یحمل مع النبی ﷺ اداوۃ لوضوئہ وحاجتہ ....** (صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار باب ذکر الجن رقم الحدیث3860)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے وضوء اور استنجا کی ایک چھاگل پانی کی اٹھا کر چلتے ایک بار یہی چھاگل لیئے آپ کے پیچھے جا رہے تھے اتنے میں آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون آ رہا ہے میں نے کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چند پتھر ڈھونڈ لا دے میں ان سے استنجاء کروں گا۔ اور ہڈی اور گوبر نہ لائیو.....آپ ﷺ نے فرمایا (ہڈی اور گوبر) یہ دونوں چیزیں جنوں کی

خوراک ہیں اور میرے پاس نصیبین (ایک شہر کا نام ہے) کے جنوں کے قاصد آئے وہ اچھے جن تھے.....''

اس حدیث میں بھی جنوں سے ملاقات کی صراحت موجود ہے اور یہ حدیث ہجرت کے بعد کی ہے کیونکہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سن 7ھ میں ایمان لائے ہیں۔ (دیکھیئے سیر اعلام النبلاء للذہبیؒ جلد3ص513)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**وأبو هريرة انما قدم على النبى ﷺ فى السنة السابعة المدينة ،**

(فتح الباری،تهذيب التهذ يب)

قارئین کرام یہ دوسرا واقعہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی ملاقات جنوں سے ہوئی ایک اور حدیث صحیح بخاری میں ہے جس کو مصنف نے نشانہ بنایا۔

''**سألت مسروقا من اذن النبى ﷺ ليلة استمعوا القرآن فقال حد ثنى أبوک يعنى عبدالله انه اٰذ نت بهم شجرة .** (صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار باب ذکر الجن رقم3859)

''......مسروق بن اجدع سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ کس نے بتلایا کہ جنوں نے رات کو آپ ﷺ کا قرآن سنا انہوں نے کہا تمہارے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک درخت نے آپ ﷺ کو خبر دی''۔

یہ واقعہ اس واقعہ سے مختلف ہے جس کا ذکر قرآن کریم سورۃ الجن اور سورۃ الاحقاف میں موجود ہے مصنف نے عام مسلمانوں کو احادیث رسول ﷺ سے گمراہ کرنے کے لئے دونوں کے نزول کو ایک قرار دے کر آپس میں تضاد ثابت کیا اور ثابت کیا کہ ایک دوسرے کے خلاف ہے آیت اور کتب احادیث اور تفاسیر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تقریباً 6 دفعہ نبی کریم ﷺ کی ملاقات جنوں سے ہوئی۔ جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے دیکھیئے تفسیر ابن کثیر جلد5 ص116 تا120۔

لہذا مصنف کا اعتراض حدیث پر باطل ٹھہرا کیونکہ حدیث میں سورۃ الاحقاف کا نزول بعین اسی طرح موجود ہے کہ وحی کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ جنوں کی جماعت قرآن سن رہی تھی۔ رہی بات کہ درخت نے نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی تو یہ بھی اپنی جگہ برحق اور سچ ہے کیونکہ یہ قصہ اس قصہ سے جو قرآن میں مذکور

ہے مختلف ہے دونوں اپنی اپنی جگہ حق ہیں کیونکہ دونوں کا سبب نزول مختلف ہے۔

اب رہی بات کہ درخت نے کیسے نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی تو الحمدللہ قرآن فرماتا ہے:

''إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ '' (ص18/38)

''ہم نے اس کے ساتھ (یعنی داؤد علیہ السلام) پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ صبح وشام ان کے ساتھ (مل کر) تسبیح کرتے تھے''۔

غور فرمائیں داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔اب اگر کوئی سوال کرے کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے تو جواباً ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یقیناً صحیح ہے۔اسی طرح سے اگر مجھ سے کوئی سوال کرے گا کہ درخت نے نبی کریم ﷺ کو کیسے خبر دی تو میں کہوں گا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تو حق اور سچ فرمایا۔

الحمدللہ 1400 سال بعد اس حدیث کی صراحت آج کے محققین کی سمجھ میں آئی کہ یہ پودے وغیرہ بھی زندگی رکھتے ہیں اور تکلیف بھی محسوس کرتے ہیں اور چیخ و پکار بھی کرتے ہیں لیکن انسان سن نہیں سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے کان ان آوازوں کو سن نہیں سکتے جس کی سماعت کی حدود (20 ہرٹز تا 20,000 ہرٹز) سے باہر ہوں۔کوئی آواز اس رینج سے زیادہ ہو یا کم ہو تو وہ انسانی کان کی سماعت میں نہیں آتی۔یعنی آج کی جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ پودے خوشی اور غم بھی محسوس کرتے ہیں۔لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے نبی محمد ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے اور آج کے محققین اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اعتراض نمبر 37:۔

اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کے علاوہ جہاد نہ کرنے والوں پر جہاد کرنے والوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **لایستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللّٰه بأموالهم وانفسهم فضل اللّٰه المجاهدین**.....یعنی آیت میں غیر اولی الضرر بھی نازل ہوا تھا جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہ کو پڑھ کر سنایا تھا معذور بھی سمجھ گئے اور ان کو تسلی بھی ہوگئی....

لیکن بخاری صاحب قرآن کی عبارت سے سخت بے اعتنائی کرتے ہوئے کئی مرتبہ اپنی کتاب میں ٹانک دیتے ہیں کہ آیت میں،،غیر اولی الضرر پہلے نازل نہیں ہوا تھا ابن ام مکتوم کے کہنے پر اللہ کے رسول ﷺ نے از خود آیت میں لکھوایا.....یہ حال ہے بخاری کا کہ اللہ سے متعلق وہ فعل منسوب کیا ہے جو بندوں سے ہی ہوسکتا ہے کہ پہلے بھول جاتے بعد میں یاد آجاتا ہے یا نظر ثانی کرنے سے غلطی ظاہر ہوجاتی ہے... (قرآن مقدس..ص107-106)

جواب:۔

مصنف نے جو احادیث پر اعتراض کئے ہیں ان کے جوابات الحمدللہ قرآن کریم میں ہی موجود ہیں۔قرآن کریم ہی علی الاعلان مصنف کے جھوٹے اعتراض کو رد کرتا ہے۔

رہی بات مصنف کے اعتراض کی کہ سورہ نساء کی آیت ''غیر اولی الضرر '' پہلے نازل ہو چکی تھی میں پوچھتا ہوں کہ مصنف کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ اگر دلیل نہیں ہے تو پھر سے مصنف نے قرآن پر جھوٹ باندھا اور اپنے آپ کو دوبارہ ملحدین اور مفترین کی صفوں میں داخل کرلیا۔سورہ نساء کی آیت کا نزول جس کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ مروان بن حکم نے کہا:

ان زيد بن ثابت اخبره ''ان رسول الله ﷺ أملى عليه ''لايستوى القاعدون من المؤمنين والمجاهدون فى سبيل الله''فجاءه ابن مكتوم وهو يُملُّها علي....

(صحيح البخاری کتاب التفسير سوره نساء باب لايستوى القاعدون ...الخ ،رقم 4592)

''ہم کو زید بن ثابت نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ آیت یوں لکھوائی '' لَايَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰه'' ابن ام مکتوم آپ ﷺ کے پاس آئے آپ یہی آیت لکھوا رہے تھے انہوں نے عرض کیا (وہ آنکھ سے معذور تھے) یا رسول اللہ ﷺ! اگر مجھ کو جہاد کی طاقت ہوتی (میں معذور نہ ہوتا) تو ضرور جہاد کرتا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر وحی بھیجی....اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ اتارا'' غیر اولی الضرر ''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر شفقت کی واضح دلیل ہے۔ ابن ام مکتوم کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کہ آنے والے معذوروں کو رخصت عطا کر دی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رخصت دی تو مصنف اعتراض کرنے والا کون؟ رہی بات اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا پہلے سے ہی کہ ابن ام مکتوم آئینگے (جیسا کہ مصنف نے اعتراض کیا ہے) بندوں سے ہی ہوتا ہے کہ پہلے بھول جاتے ہیں پھر یاد آتا ہے .... تو عرض یہ ہے کہ مصنف اگر اس حدیث پر اعتراض سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ لیتا تو اسے اس کا جواب اس آیت سے ہی مل جاتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِئَتَيْنِ وَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُم مِّئَةٌ يَّغْلِبُوْا أَلْفاً مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْن. الآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفاً فَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّئَةٌ....... (الانفال 65-66/8)

’اگر تم میں سے بیس صابر ہوں تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر سو ہوں تو کافروں کے ایک ہزار آدمیوں پر غالب آجائیں گے کیونکہ کافر لوگ کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہوا کہ تم میں ضعف ہے لہٰذا اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے‘۔

آیت کی ابتداء میں معیار تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں پر بھاری رہے گا۔ لیکن بعد میں ایمان والوں کے ضعف کو دیکھ کر اللہ نے معیار کو کم کر کے ایک مسلمان کو دو کافروں پر معیار مقرر کیا اور اللہ تعالیٰ یوں بھی فرماتا ہے کہ (اب) اسے معلوم ہوا کہ تم میں ضعف ہے۔ بتایئے آیت کی ابتداء میں کیا اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) علم نہ تھا کہ اتنا کٹھن معیار قائم کیا کہ ایک مسلمان دس کافروں پر بھاری بعد میں تخفیف فرمادی کہ ایک مسلمان دو کافروں پر بھاری۔ کیا مصنف اپنی جہالت کے سبب اس آیت کو بھی کسی راوی کی سازش کہے گا؟ قارئین کرام حدیث کو مندرجہ ذیل تناظر میں دیکھیں،

جب آیت کا نزول ہوا کہ ”لَّا يَسْتَوِيْ الْقَاعِدُوْنَ ....“ کہ بیٹھے رہنے والے مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے نازل ہوئی تو ابن ام مکتوم نے عرض کیا کہ میں تو نابینا ہوں (یعنی میرے لئے کیا حکم ہے) اللہ تعالیٰ نے

معذور بندوں کے عذر کو قبول فرما کر اس آیت کو نازل فرمادیا ”غیر اولی الضرر“ یعنی جن کو عذر ہے (معذور) وہ ان میں داخل نہیں ہیں۔ اب سورۃ الانفال کی آیت پر غور کریں اور اس حدیث پر بھی تو معلوم ہو جائے گا کہ جس طریقے سے قرآن نے ایمان والوں کو سہولت مہیا کی بعین ایسے ہی اس حدیث میں سہولت کا ذکر ہے جو سورۃ نساء کی آیت کی صورت میں ہمارے سامنے آئی لہٰذا اگر مصنف حدیث پر اعتراض کرتا ہے تو یہی اعتراض قرآن پر بھی وارد ہوتا ہے۔

اعتراض نمبر 38:۔

قرآن مقدس کا اصل مقصد اللہ کی سدا پکار ہے اللہ سے دعا کرنا اور اللہ کو بلانا ہی مؤمن کا ہتھیار ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اور اسکا ذکر کرتے ہوئے چیخنا چلانا اور جہر کرنا یہ شان الوہیت میں سخت بے ادبی ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”**لاتدعون اصم ولاغائب**“ جب زور سے تکبیر کہی اصحاب نے اور اللہ کریم نے دعا کے لئے تاکید کے ساتھ فرمایا ”**ادعو ربکم تضرعا وخفية ...وادعوه خوفا وطمعا** ....

لیکن بخاری محدث نہ تو قرآن مقدس کی نصوص کی پرواہ کرتے ہیں کہ اونچی آمین یہ آیت کے نزول سے پہلے کئی گئی ہے یا نزول کے بعد بھی آمین بالجہر کی اجازت ہے یا نہ حالانکہ اپنے لکھے ہوئے کی پرواہ بھی نہیں کرتے..... (قرآن مقدس....ص 108-107)

جواب:۔

مصنف کے اعتراض سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نماز میں جہر سے دعا کا قائل نہیں کیونکہ وہ خود ہی لکھتا ہے کہ ذکر کرتے وقت جہر کرنا یہ شان الوہیت میں سخت بے ادبی ہے.... دراصل مصنف خود ہی بے ادبی کا شکار ہے پچھلے اعتراضوں میں سے ایک اعتراض خود ہی کرتا ہے کہ ”جنوں کی جماعت نے نبی کریم ﷺ کی قرأت سنی“ بلکہ خود قرآن کریم فرماتا ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ..... (الاحقاف 29/46)

''اور جب ہم جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف لائے جو قرآن سن رہے تھے اور وہ اس مقام پر پہنچے تو کہنے لگے خاموش ہو جاؤ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ ڈرانے والے بن کر اپنی قوم کے پاس لوٹے''۔

غور فرمائیں نبی کریم ﷺ جہر سے قرآن پڑھ رہے تھے اور جنوں کی جماعت قرآن سن رہی تھی اگر جہر سے اللہ کو یاد کرنا یا دعا کرنا یا قرآن کی تلاوت کرنا غلط ہوتا تو کبھی بھی اللہ کے نبی ﷺ قرآن جہر سے نہ پڑھتے یہ مصنف کی گھناؤنی سازش ہے جو سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہی میں مبتلا کر کے حدیث سے پھیرنا چاہتا ہے۔ بلکہ قرآن تو یہاں تک ارشاد فرماتا ہے:

''وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِکَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِکَ سَبِيْلاً'' (الاسراء 110/17)

'اور آپ اپنی صلاۃ نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں نہ بالکل پست آواز سے بلکہ ان کے درمیانی لہجہ اپنایئے'۔

آیت مبارکہ قرأت کے لئے درمیانی چال چلنے کا حکم دیتی ہے نہ زیادہ جہر سے نہ زیادہ ہلکہ، بالکل اسی طریقے آمین کہنا مشروع ہے، نہ زیادہ جہر سے نہ اتنا پست کہ آواز ہی سنائی نہ دے۔ لہٰذا جب نبی کریم ﷺ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو جنوں کی جماعت سنتی تھی اور بہت ساری احادیث اس بات کی وضاحت کرتی ہیں نبی کریم ﷺ نے نماز میں کون کونسی سورۃ کی تلاوت فرمائی ان سورتوں کی معلومات ان ہی صورتوں میں ممکن ہے کہ قرأت جہر کے ساتھ (یعنی درمیانی راہ میں) کی جائے۔ جس طریقے سے نبی کریم ﷺ جہری نمازوں میں قرأت فرمایا کرتے تھے بالکل اسی معیار پر آمین کہتے تھے، کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ آمین کسی صحابی نے چلّا کر کہی ہو بلکہ احادیث میں واضح صراحت موجود ہے کہ:

''کان رسول اللہ ﷺ اذا تلا ''غیر المغضوب علیھم ولاالضالین'' قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول'' (ابو داؤد 934)

'نبی کریم ﷺ نے پڑھا ''غیر المغضوب علیھم ولاالضالین'' فرمایا آمین یہاں تک کہ (آمین کی آواز) پہلی صف میں سنی گئی'۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''آمین'' کی آواز نبی کریم ﷺ کی پہلی صف تک پہنچی اگر آمین کی

آواز چیخ کر نکالی جاتی تو پہلی صف کیا مسجد کے باہر تک آواز جاتی لہٰذا حدیث پر اعتراض کرنے سے پہلے مصنف نے یہ تک نہ دیکھا کہ دراصل یہ اعتراض قرآن مقدس پر وارد ہوتا ہے، جہاں تک امام بخاری رحمہ اللہ کے باب کا تعلق ہے 'جهر بالتامين'' اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آمین چیخ کر پکارا جائے بلکہ جہر کا معنی ہے کہ لوگ سن لیں جیسا کہ جہری قرأت لوگ سنا کرتے ہیں۔ ''ادعوا ربکم تضرعا وخفية'' ہرگز جہر بالتامین کے خلاف نہیں کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پکارو اللہ کو گڑگڑا کے اور چپکے سے یعنی اللہ ہر طریقے سے سننے والا ہے۔

اب آیت سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ گڑگڑا کر پکارا جائے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی سنتا ہے اب اگر کوئی بلند آواز یعنی جہر سے قرأت یا دعا کرتا ہے تو وہ مقبول ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں سورہ فاتحہ جہراً پڑھی (جو کہ دعا ہے) اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنی اور آپ ﷺ نے آمین بھی کہی۔

لہٰذا مصنف کا اعتراض کہ جہر سے قرآن پڑھنا دعا کرنا یہ ممنوع ہے یہ سب مصنف کا قرآن پر جھوٹ ہے، لہٰذا حدیث قرآن کے خلاف نہیں بلکہ مصنف کی رائے قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر 39:۔

قرآن مقدس کا بیان ہے کہ نماز میں خشوع وخضوع نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی.......لیکن امام بخاری راویوں پر ہی اعتماد کر کے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی پیٹھ مبارک کے پیچھے اپنے مقتدیوں کے خشوع کو بھی ان کے دلوں میں دیکھ لیا کرتے تھے اور ان کے رکوع اور سجود کو بھی اچھی طرح دیکھا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ قبلہ رخ ہوا کرتے تھے اس کے باوجود اپنی پیٹھ پیچھے کے حالات اقتداء کرنے والوں کو خوب دیکھا کرتے تھے ....''ھل ترون قبلتی ھھنا واللہ مایخفی علی رکوعکم ولاخشوعکم وانی لاراکم وراء ظھری ..(1/102) اگر پیچھے مڑ کر دیکھتے تو التفات فی الصلاۃ حرام تھا اور اگر پس پردہ دیکھتے تو پھر عالم الغیب ماننا پڑے گا ورنہ کیا مطلب ہوگا؟ (قرآن مقدس....ص110-108)

جواب:۔

نبی کریم ﷺ کا نماز میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھنا یہ نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ تھا، اور معجزہ کہتے ہی انہی چیزوں کو جو خرق عادت ہوتی ہیں سوال یہ ہے کہ نماز میں التفات یعنی بے جا حرکت کرنا منع ہے تو نبی کریم ﷺ کیونکر دیکھتے تھے؟

تو جواب یہ ہے کہ وہ التفات تھا ہی نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے جس طرح حکم دیا گیا تھا اور نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھنا تو وہ اللہ انہیں دکھاتا تھا بغیر التفات کے۔ رہی بات عالم الغیب کی کہ اللہ تعالیٰ غیب جانتا ہے تو نبی کریم ﷺ کو کیسے معلوم ہوتا اسکا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اپنے پیچھے بغیر اتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دیکھنا یہ بطور ایک معجزہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (الرعد 38/13)

'کسی رسول میں طاقت نہ تھی کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ دکھاتا'۔

یعنی اگر کوئی نبی یا رسول سے معجزہ ثابت ہوگا تو وہ اللہ ہی کے حکم سے ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا اپنے سے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز کا دیکھنا یہ بھی ایک معجزہ ہی تھا لیکن مصنف معجزہ کا بھی منکر ہے۔ معجزہ کی تعریف علی ابن محمد ابن علی اپنی کتاب **التعریفات** صفحہ 178 میں لکھتے ہیں کہ:

'معجزہ وہ ہوتا ہے کہ خارق العادۃ ہو اور بھلائی اور سعادت کی طرف دعوت دینے والا ہو اور نبوت کی دعوۃ کے ساتھ ملا ہوا ہو'۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہوا پس اللہ نے بیت المقدس کو میرے لئے ظاہر کر دیا میں نے انہیں اس کی نشانیاں بتانی شروع کیں اور میں اسے دیکھ رہا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب باب حدیث الاسراء رقم الحدیث 3886)

لہذا نبی کریم ﷺ کا اپنے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھنا یہ معجزہ تھا اور معجزہ ہوتا ہی ہے اللہ کے حکم سے ہے ایسے بہت سارے معجزوں کا ذکر قرآن کریم بھی کرتا ہے مثلاً: ''عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ

کرنا'' (مائدہ 110/5) وغیرہ۔ حالانکہ قرآن کریم تو وضاحت کے ساتھ اعلان کرتا ہے۔

'' رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ '' (بقرة 258/2)

'میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے'۔

آیت مبارکہ سے زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ کی صفت ثابت ہوتی ہے یعنی یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن دوسرے مقام پر عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب وہی ہوگا جو پیارے نبی ﷺ کی حدیث کا ہے کہ یہ بھی معجزہ ہے اور معجزہ ہوتا ہی اللہ کے حکم سے ہے تو لہذا یہ معجزہ منشاء الٰہی سے ہونا قرار پاتا ہے اسے کسی بھی طریقے سے عمومی حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

رہی بات مصنف کے اس قول کی کہ'' آپ ﷺ (مقتدیوں کے) دلوں میں بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ قارئین کرام یہ محض افتراء اور نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ پر جھوٹ ہے اس حدیث میں ایسا کچھ نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ دلوں کو بھی دیکھ رہے تھے ایسے لوگوں کے لئے ہی نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده في النار''.

(صحیح بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی ﷺ رقم الحدیث 110)

'جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی جو میں نے نہ کہی اسے چاہیے اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں بنالے'۔

لہذا حدیث قرآن کے خلاف کسی طرح بھی نہیں۔ (الحمد للہ)

اعتراض نمبر 40:۔

قرآن مقدس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی کوشش اور محنت ومنت کے باوجود ابو طالب کفر پر اڑا رہا.....لیکن امام بخاری کہتے ہیں کہ ابو طالب جو کفر قبیح پر مرا تھا وہ آپ ﷺ کی وجہ سے اگرچہ ایمان نہیں لایا تھا لیکن آپ ﷺ کی وجہ سے عذاب کبیر سے بچا لیا گیا.....فرمایا میری وجہ سے آگ کے چشمہ میں ٹخنوں تک ہے ورنہ ''**درک الاسفل** میں ہوتا..... (قرآن مقدس۔ص 111-110)

جواب:۔

قارئین کرام ایک مسئلہ اگر مصنف کو معلوم ہو جائے تو یہ اعتراض ختم ہو جائے گا مصنف تو اعتراض پر اعتراض بلا وجہ کرتا ہے وگرنہ پچھلے اعتراضات کی طرح یہ اعتراض بھی فضول ہے منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں: ''إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِيْ الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ'' (نساء 145/4)

'یقیناً یہ منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہونگے'۔

اس آیت کے بعد اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ فرعون جہنم کے سب سے نچلے درجے میں کیوں نہیں ہوگا تو آپ کیا جواب دیں گے؟ قرآن وحدیث ہدایت ان کے لئے ہیں جو ہدایت کے طلب گار ہو۔ مصنف کو تو صرف اور صرف کیڑے نکالنے سے ہی کام ہے اسے کیا معلوم کہ قرآن وسنت کا آپس میں کیا باہمی تعلق ہے۔ ایک قاعدہ اگر سمجھ میں آجائے تو ان تمام اشکالات کا جواب بخوبی ان شاء اللہ سمجھ میں آجائے گا۔ (جتنا بڑا گناہ اتنی بڑی سزا)

یعنی منافقین کو جہنم کے نچلے درجے میں ڈالا جائے گا معلوم ہوا کہ جہنم کے بھی درجے ہیں جس طرح جنت کے، اب اگر ابو طالب کو آگ ٹخنوں تک جلائے گی تو جتنا ان کا جرم تھا اتنی ہی سزا ملے گی حدیث قرآن کے خلاف جب ہوتی کہ جب اسے معاف کر دیا جاتا لیکن حدیث میں ایسا کچھ نہیں بلکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ وہ آگ میں رہے گا اور آگ اس کے ٹخنے جلائے گی اور بظاہر یہ عذاب (یعنی مصنف کو) ہلکا لگ رہا ہے لیکن حدیث میں صراحت موجود ہے کہ عذاب سہنے والا یہ محسوس کر رہا ہوگا کہ سب سے سخت عذاب اسی کو ہو رہا ہے۔

کسی نے خوب کہا تھا ''قبر کا حال مردہ ہی جانے'' لہٰذا حدیث پر اعتراض فضول ہے۔

اعتراض نمبر 41:۔

مصنف نے قراءۃ الفاتحہ خلف الامام پر رد اور اس مسئلہ میں امام بخاری پر اعتراض کیا اور فاتحہ خلف

الامام کے قائلین کو کفار سے تشبیہ دینے کی جسارت کی ہے غور فرمایئے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان پر عمل کرنے والوں کو کفار سے تشبیہ دینا؟ عیاذا باللہ!

اس اعتراض کو ہم نے دس نکات میں تقسیم کیا ہے اور ان شاء اللہ ایک ایک کر کے انکا جواب دیں گے۔

(1) مصنف نے صفحہ 90 پر قرآنی آیت پیش کی اور کہا فاستمعوا وأنصتوا کا معنی لاتحرکوا بالقراءۃ ألسنتکم ہے......اور استدلال کرتے ہیں صحیح بخاری سے فاتبع قرآنہ کا معنی ہے فاستمع له وانصت۔

جواب:۔

قارئین کرام مصنف امام بخاری رحمہ اللہ کی بات کو کہیں رد کر رہا ہے اور کہیں مان رہا ہے جب امام بخاری اور ان کی صحیح غیر معتبر ہے تو اپنی مطلب کی باتوں کا استدلال صحیح بخاری سے کیوں؟ کیا یہ تضاد نہیں؟ اور مصنف کا آیت کا معنی بیان کرنا سراسر قرآنی آیت کی تحریف ہے اس لئے کہ فاستمعوا وأنصتوا کا معنی لاتحرکوا بالقراءۃ ألسنتکم ہرگز نہیں اگر مصنف کو اپنی تحقیق پر اعتماد ہے تو بجائے لولے لنگڑے اعتراضات کرنے کے دلائل کی روشنی میں بات کرے۔ آیئے ہم اتباع کا معنی دیکھتے ہیں ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں ۔الاتباع :أن یسیر الرجل وأنت تسیر وراءہ : کہ ایک آدمی چلے اور آپ اسکے پیچھے پیچھے چلیں۔

غور کیجئے کہ فاتبع قرآنہ کا معنی خاموش رہنا ہے یا نبی کریم ﷺ کا جبریل کے بعد پڑھنا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو چاہیے کہ اپنے لکھے ہوئے کیخلاف نہ کرے۔ قارئین خود فیصلہ کریں کہ تضاد کس کی باتوں میں ہے؟ رہے امام بخاری کے تضادات تو وہ مصنف کی آنکھ کا شہتیر ہیں۔

(2) مصنف صفحہ 92-91 پر لکھتا ہے کہ خلفاء راشدین (جن کی سنت کو نبی ﷺ نے اپنی سنت فرمایا) قطعاً امام کے پیچھے قرأت کرنے کے قائل نہ تھے ورنہ.....

جواب:۔

ہم ایک حدیث ذکر کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ خلفاء راشدین کا مسلک کیا ہے۔

امام دارقطنی نے اپنی سنن میں ذکر کیا کہ: یزید بن شریک کہتے ہیں کہ: میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے پڑھنے کا حکم دیا میں نے کہا اگر آپ ہی کیوں نہ ہوں (یعنی: مقتدی) فرمایا کہ اگر میں ہی کیوں نہ ہوں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ جہری قرأت بھی کریں فرمایا: کہ اگر میں جہری قرأت بھی کروں۔(وقال :هذا اسناد صحيح)

''کیا تبصرہ فرماتے ہیں محترم مصنف خلیفہ راشد کی اس سنت پر۔

(3) مصنف صفحہ 94-93 پر کہتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں: **باب وجوب القراء ة للامام والمأموم** .... باب باندھنا تو چاہیے تھا **باب وجوب القراء ة للامام والمتفرد**....الخ

جواب:۔

مصنف امام بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب کو سمجھنے کے بجائے انہیں پابند کر رہا ہے کہ مصنف کی ناقص عقل کے مطابق چلیں۔ مصنف امام بخاری رحمہ اللہ پر تعجب کرنے کے بجائے اپنی کم علمی کا ماتم کرے۔ رہی بات کہ منفرد کو ذکر کیوں نہیں کیا اور مقتدی کو ذکر کیا جس پر قرأت فرض نہیں۔

منفرد کے احکام امام کی طرح ہوتے ہیں اس لئے اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ضرورت تو اسے ذکر کرنے کی ہے جس میں اشکال ہے۔ اور سنن ابن ماجہ میں صحیح حدیث ہے جس میں ابو ہریرہؓ ابو سائب کو سوال کرنے پر (**فاني أكون أحيانا وراء الامام**) کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں۔ فرماتے ہیں: (**يا فارسي: اقرأ بهافي نفسک**)''اے فارسی تو اپنے دل میں پڑھ''۔

(سنن ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها باب القراء ة خلف الامام رقم الحديث 838)

(4) مصنف صفحہ 94 پر لکھتا ہے: اور پھر حدیث کے الفاظ عام ہیں سینہ زوری سے مقتدی کو بھی اس میں داخل سمجھتیں ہیں۔

جواب:۔

یا تو مصنف کی عقل میں خلل ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے کہ جب حدیث عام ہوتی ہے تو اس کے متعلقات خود بخود اس میں داخل ہوتے ہیں حدیث میں قرأت کے واجب ہونے کا حکم عام ہے تو اس وجوب میں امام مقتدی منفرد سب داخل ہیں۔ مقتدی کو داخل کرنے کے لئے سینہ زوری کی ضرورت نہیں پڑتی۔

'انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا ہو گیا ہے کچھ لوگوں کو کہ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اپنی نمازوں میں آپ ﷺ نے سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: باز آجائیں وہ لوگ اپنے اس عمل سے ورنہ ضرور ان کی آنکھوں کو اچک لیا جائے گا'۔

(صحيح بخاری كتاب الأذان باب رفع البصر الى السماء فی الصلاة رقم الحديث 750)

اب اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں لہذا صرف مقتدیوں یا صرف ائمہ کے لئے ممانعت ہے باقیوں کو اوپر دیکھنے کی اجازت ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ اس کی عقل میں خلل ہے۔

(5) مصنف صفحہ 94 پر رقمطراز ہے ...تو پھر معلوم ہوا کہ امام بخاری کا مذہب صرف فاتحہ خلف الامام نہ ہوا.....تو امام بخاری کا باب باندھنا ہی جھوٹ ہوا....الخ (مزید لکھتا ہے اس کا قائل کوئی محدث نہیں)

جواب:۔

متکلم کی منشاء کو متکلم سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اور فاتحہ کے بعد مقتدی کا خاموش رہنا دیگر احادیث سے ثابت ہے لہذا اعتراض حد درجہ فضول ہے۔ نہ معلوم کہ مصنف محدث سے مراد کسے لیتا ہیں اگر انہیں جنہیں ہم محدث مانتے ہیں تو ان کی بیان کردہ احادیث میں سے کچھ احادیث آپ کے سامنے ذکر کردی گئی ہیں۔ اور اگر خود کو محدث سمجھتا ہیں تو ان کا مقام ہم بیان کر ہی رہے ہیں۔

(6) مصنف صفحہ 95 پر لکھتا ہیں: (ترجمہ حدیث) نہیں جائز نماز اس کی جو نہ قراءت کرے ساتھ فاتحہ الکتاب کے......آخر قراءۃ الکتاب اور قراءۃ بالکتاب کی ترکیب میں کافی فرق ہے....باء بمعنی مع ہوگی کہ ہر وہ نماز جس میں فاتحہ سمیت قراءت نہ کی جائے....الخ

جواب:۔

مصنف اپنی ناقص عقل کے گھوڑے دوڑانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے اور حدیث کے معنوں میں صریحاً تحریف کر رہا ہے۔عجبا له !اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہیں:(وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا)جس کا تمام مترجمین نے یہ ترجمہ کیا ہے(اللہ کافی ہے گواہی کے لئے)اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ باء بمعنی مع ہوگی لہٰذا صرف اللہ کی گواہی کافی نہیں بلکہ کسی اور کی گواہی بھی ساتھ ہوگی اس لئے کہ اللہ خود فرما رہا ہے۔تو کیا عرض کریں گے پس جو تاویل یہاں کریں حدیث کی بھی وہی تاویل ہوگی.

(7)مصنف صفحہ 96 پر(امام بخاری کی خیانت یا بھول چوک) کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

اسی باب میں امام بخاری مسی ء الصلوة والی حدیث ذکر کرتے ہیں....حالانکہ امام بخاری نے باب باندھا ہے امام و مأموم کا اور مسی ء الصلوة نہ امام ہے نہ ماً موم بلکہ منفرد ہے

جواب:۔

یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ متکلم اپنی منشاء کو بہتر جانتا ہے اور منفرد اس باب میں امام کے ضمن میں داخل ہے۔اس لئے کہ دونوں کے احکامات تقریباً ملتے جلتے ہیں۔لہٰذا الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(8)مصنف صفحہ 97 پر لکھتا ہے:

ثم اقرأ ماتيسر من القرآن سے مراد اگر بخاری صرف فاتحہ لیتے ہیں تو نری خیانت ہے۔

جواب:۔

نہ معلوم کہ ہم اسے مصنف کی بھول چوک کہیں یا خیانت؟اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اسے مطلقاً قرأت کے لئے ہی ذکر کر رہے ہیں لیکن مصنف نہ جانے کہاں سے یہ اخذ کر رہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے صرف فاتحہ مراد لے رہے ہیں۔

(9)مصنف صفحہ 97 پر لکھتا ہے:

امام بخاری نے عطاء بن یسار سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ اس نے بیان کیا کہ میں نے زید بن ثابت سے سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے سورہ نجم آپ ﷺ کو پڑھ کر سنائی تو آپ ﷺ نے نہ خود

سجدہ کیا نہ مجھ کو سجدہ کا حکم دیا.....زید بن ثابت سے قرئت خلف الامام کے متعلق ابن یسار نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا قطعاً جائز نہ ہے....

جواب:۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث کتاب سجود القرآن میں مختصراً ذکر کی ہے اور باب باندھا(**باب من قرأ السجدة ولم يسجد**)(باب:جس نے سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ نہ کیا)جنہیں امام بخاری کے طریقہ بیان سے واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ باب کی مناسبت سے احادیث مختصراً بھی ذکر کرتے ہیں جیسے یہاں اور کئی مقامات پر بھی لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ خیانت کے الزام سے بری ہیں۔

(10)مصنف صفحہ 98 پر لکھتا ہے:

ابن یسار نے زید بن ثابت سے قراءت خلف الامام کے متعلق پوچھا تھا....**لاقراء ة مع الامام فی شی ء** ....اس لئے عمداً اس سوال و جواب کا ذکر اس حدیث سے اڑا دیا....الخ

جواب:۔

جہاں تک سوال و جواب اڑانے کا ذکر ہے یہ مصنف کی خیانت ہے اس لئے کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ باب کی مناسبت سے حدیث کو مختصراً بھی ذکر کرتے ہیں اور یہاں بھی صرف سجود القرآن کی مناسبت سے حدیث کا ٹکڑا پیش کیا۔

(مکمل حدیث صحیح مسلم کتاب المساجد باب سجود التلاوة رقم الحدیث 577 میں مذکور ہے)

زید بن ثابت کا جواب(**لاقراء ة مع الامام فی شی ء**) کہ امام کے ساتھ قرأت نہیں ہے۔اس بات پر محمول ہے کہ فاتحہ کے علاوہ مقتدی کے لئے قرأت نہیں۔اس بات کی دلیل وہ احادیث (جن میں سے بعض ہم ذکر کر چکے ہیں)جس میں نبی ﷺ نے مقتدی کو بھی فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی تو قرأت بھاری ہوگئی جب نماز مکمل کر کے پلٹے تو فرمایا:میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے

پڑھتے ہو۔تو جواب دیا ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ فرمایا کہ نہ پڑھا کرو سوائے ام القرآن کے اسلئے کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے اسے نہیں پڑھا۔(دارقطنی نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا: هذا اسناد حسن)

اعتراض نمبر 42:۔

سورہ ہود میں پارہ گیارہ کی آخری آیت ہے،،الا انهم يثنون صدورهم ليستخفوا منه......

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں اعلان رسالت فرمایا اور لوگوں کو دعوت حق دی تو اہل مکہ کا حق تھا کہ آپ ﷺ سے مل کر دین حق کو سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن بجائے اس کے انہوں نے فرار کا راستہ اختیار کیا چند لوگ بیٹھے ہوئے اگر محسوس کر لیتے کہ محمد ﷺ ہماری طرف آرہے ہیں تو وہاں سے منتشر ہو جاتے کسی گلی راستے میں آپ کو دیکھتے تو کترا جاتے اس ڈر سے کہ آپ ﷺ قرآن سنانے لگیں گے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ سینے موڑ کر اللہ کے رسول ﷺ سے کترا جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی نگاہوں سے اوجھل ہو بھاگتے ہیں اللہ کی نظر سے تو اوجھل نہیں ہو سکتے، ہو سکے تو اللہ سے چھپ کر دکھائیں.....

اب آپ دیکھیں کہ امام بخاری نے ابن جریج کے طریق سے آیت کی جو درگت بنائی ہے ملاحظہ کریں اور قرآن کی آیت ”يثنون صدورهم ''روایت کرنا بھی دیکھیں....یعنی کچھ لوگ پخانہ کرتے یا بیویوں سے جماع کرتے ستر کھولنے کی وجہ سے شرماتے کہ آسمان سے اللہ ہم کو ننگا دیکھے گا شرم وحیا کی وجہ سے ان کے سینے بل کھاتے تھے یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ (قرآن مقدس.....ص113-112)

جواب:۔

مصنف کو بخاری سے ”يثنون صدورهم کی جگہ يثنونى صدورهم“ تو با آسانی نظر آ گیا لیکن افسوس ہے کہ مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 112 پر آیت کا جو نزول لکھتا ہے آخر یہ نزول اسے کس نے بتایا؟ نبی کریم ﷺ کے وقت میں نزول کا ہونا بخوبی سمجھ میں آتا ہے، لیکن یہ بھی عجب ہے کہ مصنف کی اتنی مت ماری گئی ہے کہ آیت کا نزول بھی خود ساختہ اور پھر اسی خود ساختہ نزول کو حجت مان کر رد! لاحول ولا قوة الا بالله .

رہی بات ”يثنون صدورهم اور يثنونى صدورهم “تو یہاں قرأت کا فرق ہے، مصنف نے زبردستی قرآن میں خیانت کا الزام امام بخاری رحمہ اللہ پر چسپاں کیا هذا بهتان عظيم حالانکہ اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ”يثنون صدورهم سینوں کو ڈھانپتے ہیں ”يثنونى صدورهم معنی کے اعتبار سے بالکل ایک ہی ہیں معنی میں کوئی تبدیلی نہیں صرف اور صرف قرأت کا فرق ہے لیکن افسوس کے مصنف احادیث کے انکار کے ضمن میں سبعۃ احرف والی حدیث کا بھی انکار کرتا ہے تو یہ حدیث کس طرح اس کے دل میں اتر سکتی ہے اور یہ اللہ کا قانون ہے کہ اسلام کی سمجھ اسے ہی دیتا ہے جس کے لئے ہدایت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

” فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام“ .

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں کتاب التفسیر میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہیں کہ ” کچھ لوگ ننگے ہو کر پاخانہ بھرنے میں آسمان کی طرف ستر کھولنے میں (پروردگار سے) شرماتے تھے اسی طرح صحبت کرتے وقت آسمان کی طرف ستر کھولنے سے شرماتے تھے۔ (كتاب التفسر تفسير سوره هود رقم الحديث 4681)

شان نزول سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ صحبت کرتے وقت یا پاخانہ میں جاتے وقت ستر کھولنے میں شرماتے تھے تو اس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا کہ:

أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ..... (هود 5/11)

”دیکھو جب یہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تا کہ اللہ سے چھپے رہیں اور جب خود کو کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں اللہ (سب) جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کیونکہ وہ سینوں کے راز تک جاننے والا ہے“۔

الحمد للہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ سے بھی نزول کی طرف اشارہ ملتا ہے یعنی جس چیز کو وہ لوگ چھپاتے تھے اللہ نے فرمایا کہ اللہ پاک خوب جانتا ہے۔

لہٰذا حدیث پر اعتراض صرف اور صرف مصنف کی حدیث دشمنی کی واضح دلیل ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

''مصنف کے راویوں پراعتراضات اورانکے جوابات''

1)عدی بن ثابت الأنصاری الکوفی،

احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (عدی) ثقہ ہے۔

ابوحاتم کہتے ہیں: صدوق اورشیعوں کی مسجد کا امام تھا۔

ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا۔

اس دور میں شیعوں کا اعتقاد یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔اور وہ صحابہ کو کافرنہیں کہتے تھے جیسا کہ آج کے شیعہ کہتے ہیں۔لہٰذا شیعہ کہہ دینے سے راوی جھوٹا نہیں ہوتا۔

(تہذیب الکمال للمزی3883،الجرح والتعد یل لابن ابی حاتم1149)

2)هشام بن عروة بن الزبیر،

عثمان بن سعید الدارمی کہتے ہیں: کہ میں نے یحیی بن معین سے پوچھا! آپ کو هشام بن عروۃ کی روایت اپنے والد سے پسند ہے یا زہری کی؟ کہا: دونوں اورکسی کو ترجیح نہیں دی۔

ابوحاتم کہتے ہیں: وہ ثقہ اورحدیث میں امام ہے۔

(تہذیب الکمال للمزی6585،الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم15904)

3)ابوحازم الاشجعی،

احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوحازم الاشجعی کا نام سلمان اور وہ ثقہ تھے۔

یحیی بن معین نے کہا: ثقہ تھے۔

عباس بن محمد الدوری کہتے ہیں کہ میں نے یحیی بن معین کو کہتے ہوئے سنا: ابوحازم صاحب ابوہریرہ ثقہ ہے۔

ابوحازم پانچ سال ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے۔

(تہذیب الکمال للمزی2440،الجرح والتعد یل لابن ابی حاتم6412،التاریخ الکبیر للامام البخاری 2240)

4)امام زهری،

محمد بن مسلم بن عبیدالله بن عبدالله بن شهاب الزهری،

عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا تم ابن شہاب کے پاس جاتے ہو؟ مثبت جواب ملنے پر فرمایا ان کے پاس جایا کرو سنت ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں بچا۔

امام مالک فرمایا: ابن شہاب باقی بچے اوردنیا میں ان جیسا کوئی نہ تھا۔

عمر بن دینار کہتے ہیں: میں نے زہری سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا۔

زہری خود اپنے متعلق فرماتے ہیں: میں نے کوئی علم اپنے دل کے حوالہ نہیں کیا جسے وہ بھولا ہو(جو کچھ دل میں ڈالا وہ یادرہا)

ابوزرعۃ سے زہری اورعمر بن دینار کے بارے میں سوال کیا گیا کہا: زہری زیادہ یادکرنے والے تھے۔

لیث بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا: اگر وہ ترغیب کے بارے میں بیان کرتے تو سننے والا کہتا: ترغیب ہی سب سے بہتر جانتے ہیں،اوراگر انساب بیان کرتے تو گمان ہوتا انساب ہی بہتر جانتے ہیں۔اگر قرآن وسنت بیان کرتے تو بھی ایک جامع بات کرتے۔

(الجرح والتعد یل 13625،تہذیب الکمال5606)

5) اسماعیل بن عبدالرحمان السدی،

احمد ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یحی بن معین نے ایک دن عبدالرحمٰن بن مہدی کے سامنے ابراہیم بن مہاجر اورسدی کا ذکر کرتے ہوئے کہا: دونوں ضعیف ہیں۔تو عبدالرحمٰن غصہ ہوئے اورابن معین کی بات کو ناپسند کیا۔

علی بن المدینی کہتے ہیں کہ میں نے یحی القطان کو کہتے ہوئے سنا: میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ سدی کو ذکر کرتا ہو مگر خیر کے ساتھ اورکسی نے اسے ترک نہیں کیا۔

یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں۔

احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سدی ثقہ ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں: سدی کئی شیوخ سے احادیث روایت کرتے ہیں اور وہ میرے نزدیک حدیث میں مستقیم ہے صدوق ہے اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

ابن ابی خالد نے کہا: سدی شعبی سے زیادہ قرآن کا جاننے والا ہے۔ شعبی کے سامنے ذکر کیا گیا کہ سدی کو قرآن کے علم کا حصہ دیا گیا ہے تو شعبی نے کہا کہ سدی کو قرآن سے جہالت کا حصہ دیا گیا ہے۔

امام ذہبی نے اس قول پہ تنقید کی ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کا جہل اس کے علم سے زیادہ نہ ہو۔(اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"**وما اوتیتم من العلم الا قلیلا**")

اور جنہوں نے سدی کی جرح کی ہے وہ جرح غیر مفسر ہے یعنی اسباب بیان نہیں کئے۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ سدی کی تعدیل اسکی جرح پر مقدم ہے احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انہیں ثقہ قرار دیا اور وہ بدعتیوں پر بہت شدید تھے۔

باوجود سدی کے معتبر ہونے کہ وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے رجال میں سے نہیں ہیں۔

(التاریخ الکبیر للبخاری 1145،الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم 625،تهذیب الکمال462،الکامل لابن عدی 116 ، الضعفاء للعقیلی102)

6)صدقة ابن ابی عمران،

ابو حاتم کہتے ہیں: صدقة صدوق نیک شیخ اور غیر مشہور ہے۔

ابن حبان نے صدقة کو ثقات میں ذکر کیا۔

ابن حجر نے کہا: صدقة صدوق ہے

(الجرح والتعدیل7016،رجال صحیح مسلم698، تهذیب الکمال 2866،تحریر تقریب التهذیب2916)

علامہ سعید ملتانی کے قرآن مجید پر جھوٹ

جھوٹ نمبر 1 (کتاب قرآن مقدس......):

جو شخص خودکشی کرتا ہے وہ کفر پر مرتا ہے....لیکن اپنے اختیار سے اپنے آپ کو مار دینے والا قطعاً مسلمان ہو کر نہیں مرتا۔ (ص12,13)

جھوٹ نمبر 2 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس کا بیان ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں۔ مخلص پر بھی جادو اور شرک کا اثر نہیں ہو سکتا خود شیطان نے بھی اقرار کیا کہ "**الا عبادک منهم المخلصین**" تیرے مخلص بندوں پر میرا یا میری کسی بھی شرارت کا اثر نہ ہوگا اور اللہ نے فرمادیا کہ جادو کا مومن مخلص پر اثر ماننا یہ عقیدہ مشرک ظالم کا ہے مسلمان کا نہیں۔ (صفحہ 16,15)

جھوٹ نمبر 3 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن پاک میں صاف بیان ہوا ہے کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام اور ام البشر حواء دونوں شجرہ ممنوعہ کو نسیانا استعمال کر بیٹھے دونوں شریک فعل ہوئے......اور اس فعل میں زیادہ بااختیار چونکہ آدمؑ تھے اس لئے نسیاناً اس فعل کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے حضرۃ حواء کا ذکر نہیں کیا گیا گویا قرآن نے حضرت حواء کا ذکر نہ کر کے ان کی بے قصوری کا ذکر کیا ہے۔ (صفحہ 22)

جھوٹ نمبر 4 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ جب ابو طالب کو باصرار دعوت ایمان دے کر اس کے ایمان سے مایوس ہو کر واپس لوٹے......اور اللہ نے بھی آئندہ کے لئے اس کے لئے شفاعۃ واستغفار سے منع کر دیا۔ (صفحہ 25,24)

جھوٹ نمبر 5 (کتاب قرآن مقدس......):

ایام جاہلیت میں لوگوں نے زنا کی ایک شکل بنام متعہ جائز کر رکھا تھا اسلام نے تمام رسومات قبیحہ مٹا کر جائز شکل کے ساتھ شرعاً نکاح کی اجازت دی قرآن مقدس نے شرائط کے ساتھ نکاح جائز کر رکھا اور فرمایا .....دیگر آیات ذکر کر کے متعہ جیسی لعنت کو زنا میں داخل کیا اور فواحش کی مد میں اس کو ذکر کیا۔ (صفحہ 28)

جھوٹ نمبر 6 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس میں نکاح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت کا حق مہر مال ہونا ضروری ہے عورت کے بضع سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ایسا مال دیا جائے جس کی مالیت ہو........اور مال بھی ایسا ہو جس کو عرف عام میں مال کہا جاتا ہو.........ردی کاغذ کا ٹکڑا..........درخت کا گرا ہوا یا توڑا ہوا کوئی پتہ........یا پھٹا پرانہ کپڑا.........یا لوہے تانبے کا کوئی چھلہ انگوٹھی اس کو مال نہیں کہا جاتا مال بھی وہ جو بضع کے بدلے عورت کے لئے نفع مند ہو اور اس کی مالیت ہو لوہے تانبے کی انگوٹھی تو ویسے ہی حرام ہے اس کی تو اسلام میں مالیت بھی نہیں ہے......

(صفحہ 31,30)

جھوٹ نمبر 7 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس میں ہے کہ قرآن کے عوض اور بدلہ میں مال دینا لینا حرام ہے قرآن اللہ کا کلام ہے یہ مالیت سے پاک ہے مالیت دنیاوی ضروریات کے لئے ہوتی ہے اور قرآن محض دین ہے اگر کسی کو چند سورتیں یا آیات یاد ہوں تو خود اس کے فائدہ کے لئے ہوتی ہیں دوسروں کی طرف اس کا فائدہ منتقل نہیں ہوسکتا۔ (صفحہ 32)

جھوٹ نمبر 8 (کتاب قرآن مقدس......):

وضو کے لئے جو پانی استعمال ہو چکا ہو دوبارہ اسی مستعمل پانی سے بھی وضو نہیں ہوسکتا۔ (صفحہ 33)

جھوٹ نمبر 9 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس.........اسی پر متفق ہے کہ پیشاب کسی انسان کسی جاندار کا ہو وہ ناپاک اور پلید ہوتا ہے۔ (صفحہ 35)

جھوٹ نمبر 10 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس میں ایک نہیں بیسیوں آیات صراحت کے ساتھ کہتی ہیں کہ موت کے بعد کوئی مردہ نہیں سن سکتا اسباب سننے کے مردے سے ختم ہوجاتے ہیں۔ (صفحہ 43)

جھوٹ نمبر 11 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس میں مردہ کے کلام کرنے کو محال کہا گیا ہے۔ (صفحہ 47)

جھوٹ نمبر 12 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ اور خلیل اللہ علیہ السلام کا ایک مکالمہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ.........اللہ نے حضرت خلیل علیہ السلام سے فرمایا.......یعنی خلیل اللہ نے عرض کی کے مجھے (علم الیقن اور حق الیقن تو ہے لیکن میں عیاناً آنکھ سے عین الیقین حاصل کرنے کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ) دکھا دیجئے وہ کیفیت جس حالت میں تو مردوں کو زندہ کرے گا تو اس پر اللہ نے (مشفقانہ انداز سے) فرمایا کیا تو (آنکھوں سے معائنہ کے بغیر) اس کی تصدیق نہیں کرے گا تو خلیل اللہ نے عرض کیا (کیونکر تصدیق نہ کروں بالکل مجھے یقین ہے) میں تو صرف اطمینان قلب کی خاطر درخواست گزار ہوں (اور اس میں صرف کیفیت وحالت دیکھنا چاہتا ہوں ورنہ شک کی تیری قدرت میں گنجائش ہی نہیں ہے) (صفحہ 49-48) بریکٹ میں عبارت اللہ کی کتاب قرآن مجید پر احمد سعید کا بدترین جھوٹ ہے۔

جھوٹ نمبر 13 (کتاب قرآن مقدس......):

کون نہیں جانتا کہ قرآن مقدس میں لوط علیہ السلام والی قوم کی سی بدکاری کرنے والا کافر ہی ہوتا ہے اور لواطت کا کام سوائے کافر کے اور کوئی مومن نہیں کرتا۔ (صفحہ 52)

نوٹ: احمد سعید ملتانی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر دبرزنی کا الزام تراشہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ایسی کوئی عبارت صحیح بخاری میں موجود ہے۔

جھوٹ نمبر 14 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس میں لہوولعب منافقوں یہودیوں اور نصرانیوں کا فروں کا پیشہ مذکور ہوا ہے۔ (صفحہ 56-55)

ہر قسم کا لہوولعب کو منافق یہودی اور نصرانیوں کافروں کا پیشہ قرار دینا اللہ کی کتاب پر بدترین جھوٹ ہے۔

جھوٹ نمبر 15 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن کریم میں نکاح شادی کے لئے بلوغت کو شرط رکھا گیا ہے.......کی نص خود اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوئی ہے پھر خاص طور پر نساء کے لفظ سے نکاح کو جائز کہا گیا۔ (صفحہ 57)

نوٹ: سورہ طلاق آیت نمبر 4 میں نابالغہ منکوحہ کا ذکر موجود ہے۔

جھوٹ نمبر 16 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن پاک میں جن عورتوں کے ساتھ آپ نکاح (شادی) کر سکتے تھے یہ بھی اجازت تھی کہ اگر کوئی مومنہ عورت آپ ﷺ کے لئے از خود اپنی جان ہبہ کردے تو آپ ﷺ چاہیں تو اس سے شادی کر سکتے ہیں بشرطیکہ واہبہ عورت مومنہ ہو اور از خود بغیر آپ ﷺ کے مطالبہ کے اپنا نفس ہبہ کردے ....یعنی پہلے واہبۃ النفس ہبہ کرے بعد میں نبی کا ارادہ ہوجائے تو نہ یہ کہ نبی ﷺ کا ارادہ پہلے ہوجائے اور عورت سے کہے کہ تو مجھے اپنا نفس ہبہ کر......نہیں بلکہ عورت از خود ہبہ پہلے کرے بعد میں نبی اور وہ بھی تب اگر ارادہ ہوجائے۔ (صفحہ 71)

جھوٹ نمبر 17 (کتاب قرآن مقدس......):

آپ ﷺ جنگ تبوک کے جہادی سفر پر تھے جب سورہ براء ۃ کا ساتواں ،آٹھواں ،نواں ،دسواں ،گیارہواں اور بارہواں رکوع نازل ہوا تھا چناچہ دسویں رکوع میں آیت.....اور آیت.......گیارہویں رکوع میں ہے یہ دونوں آیات جنگ تبوک دوران سفر اتری تھیں یہ آیات بطور پیش بندی اللہ نے اتار کر یہ سبق دیا تا کہ آپ ﷺ کسی منافق کافر کے لئے سفارش یا استغفار نہ کریں اسی لئے آپ ﷺ نے ابی ابن سلول کا جنازہ بھی نہ پڑھا اور نہ اس کے لئے کوئی استغفار کیا..... (صفحہ 73-72)

جھوٹ نمبر 18 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو شئے مسلمانوں کے لئے ضرر رساں ہو اور اس سے کبھی نفع کی توقع نہ ہو تو اس کو مٹا دیا جانا چاہیئے ۔(صفحہ 81)

جھوٹ نمبر 19 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن پاک جن حروف جن الفاظ جن کلمات کے ساتھ اترا تھا اور جس قرأت کے ساتھ نازل کیا گیا تھا اسی ہئیت وکیفیت اور اقدار کے ساتھ پوری دنیا میں موجود ہے کوئی حرف وقرأت ایسی نہیں جو اس موجودہ قرآن کے علاوہ ہو یہی قرآن ہی اپنی ہئیت وکیفیت کے ساتھ نبی ﷺ نے پڑھایا۔ (صفحہ 85-84)

جھوٹ نمبر 20 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن کی بے ادبی میں سے ہے کہ پڑھنے والا پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے بجائے سننے کے پڑھا جائے خواہ کچھ بھی پڑھا جائے خواہ حدیث ہی کیوں نہ پڑھی جائے کیونکہ اس سے قرآن کی پڑھائی میں لڑھا اور تخلیط وتخریب کاری ہوگی جسکو قرآن نے بیان کردیا کہ یہ وطیرہ کافروں کا ہے۔ (صفحہ 86)

جھوٹ نمبر 21 (کتاب قرآن مقدس......):

کافروں کا قدیم زمانہ سے پیشہ چلا آرہا ہے پڑھنے والا اپنا فریضہ ادا کررہا ہو اور پڑھ رہا ہو خواہ تبلیغ کے لئے خواہ عبادت کے لئے تو کافر چونکہ قرآن کی آواز سننا نہیں چاہتا لہٰذا اس کے عین مقابلہ میں نعت خوانی، دوہڑا بازی، شروع کردیگا قال رسول اللہ ،کی لڑھ مچادیگا یا کسی گویے کو تلاوت قرآن شروع کروادیگا۔ (صفحہ 87)

جھوٹ نمبر 22 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس......اللہ سے دعا کرتے ہوئے اور اس کا ذکر کرتے ہوئے چیخنا چلانا اور جہر کرنا یہ شان

الوہیت میں سخت بے ادبی ہے۔(صفحہ 107)

جھوٹ نمبر 23 (کتاب قرآن مقدس......):

قرآن مقدس کا بیان ہے کہ نماز میں خشوع وخضوع اگر نہ ہوتو نماز نہیں ہوتی۔ (صفحہ 108)

مراجع ومصادر

کتاب	مصنف
القرآن الكريم	
تفسير القرآن العظيم	ابو الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقی
تفهيم القرآن	سيد ابوالاعلى مودودى
صحيح البخارى	الامام ابوعبدالله محمد بن اسماعيل البخارى
صحيح مسلم	الامام ابوالحسين مسلم بن الحجاج القشيرى النيسابورى
سنن ابی داؤد	ابوداؤد سليمان الاشعث السجستانى
جامع الترمذی	محمد بن عيسى بن سورة الترمذی
سنن النسائی	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعيب بن علی النسائی
سنن ابن ماجه	ابو عبدالله محمد بن يزيدالقروينی ابن ماجه
السنن الكبرى	احمد بن شعيب النسائی
مسند احمد	ابو عبدالله احمد بن محمد بن حنبل الشيبانی
مسند الطيالسی	ابو داؤدسليمان ابن داؤدابن الجارودالطيالسی
سنن الدارقطنی	الحافظ علی بن عمر الدارقطنی
المعجم الكبير	الحافظ ابولقاسم سليمان بن احمد الطبرانی
مصنف ابن ابی شيبه	ابو بكر عبدالله بن محمد بن ابی شيبه العبسی الكوفی
مجمع الزوائد	الحافظ نورالدين علی بن ابی بكر الهيثمی
مقدمة الفتح	الحافظ احمدبن علی بن حجر العسقلانی
فتح البارى	الحافظ احمدبن علی بن حجر العسقلانی
عمدة القارى	بد رالدين ابو محمد محموداحمد العينی
معرفة السنن والآثار	ابو بكر احمد بن الحسين بن علی البيهقی
المفهم لماأشكل فی تلخيص كتاب مسلم	ابو العباس احمد بن عمر بن ابراهيم القرطبی
عون المعبود	ابو عبدالرحمان شرف الحق محمد اشرف العظيم آبادی
مشكٰوة المصابيح	ابو عبدالله محمد بن عبدالله الخطيب العمرى التبريزى
النكت على كتاب ابن الصلاح	احمد بن علی بن حجر العسقلانی

فتح المغيث شمس الدين محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد السخاوی

التاريخ الكبير محمد بن اسماعيل البخاری

الجرح والتعديل ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادريس الرازی

رجال صحيح مسلم ابو بكر احمد بن علی منجوی الاصبهانی

الثقات محمد بن حبان بن احمد التميمی البستی

تهذيب الكمال جمال الدين ابو الحاج يوسف المزی

تقريب التهذيب احمد بن علی بن حجر

الكاشف شمس الدين محمد بن احمد عثمان الذهبی

سير اعلام النبلاء شمس الدين محمد بن احمد عثمان الذهبی

الطبقات الكبرى ابن سعد

المنتظم فی تاريخ الملوک ولأمم جمال الدين ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی

كتاب التعريفات علی بن محمد بن علی الجرجانی

لسان العرب ابن منظور

المعجم الوسيط

الكامل فی ضعفاء الرجال الحافظ ابو احمدعبدالله بن عدی الجرجانی

كتاب الضعفاء ابو جعفرمحمد بن عمروبن موسی بن حماد العقيلی

البدايه والنهاية ابن كثير

طب نبوی اور جدید سائنس ڈاکٹر خالد غزنوی

(Guru Parsad Sen.Introduction To The Study of Hinduism)

(Lyall.Religious Systems of the World)

(Census Report ,Baroda.1901)

(Hackman,Buddhism as a Religion)

(Arabia Petra)

(Arabia Deserta)

(Merit Student Encylopedia)